اسباق کی فہرست :۔

حصہ نثر

۱ اخلاقِ نبویؐ
۲ اسلام میں گداگری کی مذمّت
۳ قومی اتفاق
۴ اِنسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا
۵ نصوح کا خواب
۶ حجِ اکبر
۷ دستک
۸ غلام
۹ آرام وسکون
۱۰ نیلی جھیل
۱۱ سفارش طلب

حصہ نظم

۱ حمد
۲ نعت
۳ برسات کی بہاریں
۴ طلوعِ اسلام

حصہ غزل

۱ غزل ۱ (میرتقی میر)
۲ غزل ۲ (میرتقی میر)
۳ غزل ۱ (حیدرعلی آتش)
۴ غزل ۲ (حیدرعلی آتش)
۵ غزل ۱ (مرزاغالب)
۶ غزل ۲ (مرزاغالب)
۷ غزل ۱ (بہادرشاہ ظفر)
۸ غزل ۲ (بہادرشاہ ظفر)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Tehkals.com Learn & Teach

فنی وفکری/ تنقیدی جائزہ

مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی نے تاریخی سوانح عمریوں کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے سنہری ماضی کی یاد دِلا کر مستقبل کی تعمیر پر اُبھارنے کی کوشش کی۔ تنقید کے میدان میں شبلی نے مغربی تنقید کے اصولوں اور کچھ حد تک حالی کا اثر قبول کیا ہے۔ مگر ان کا مزاج خالص مشرقی ہے۔ وہ کسی وقت بھی مغرب کی تہذیب اور اس کے علم و ادب سے مرعوب نہیں ہوتے۔ ان کا شمار سرسید کے رفقاء اور اُردو نثر کے عناصرِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں ادب کا مقصدی پہلو نمایاں ہے۔ ان کا بیان عالمانہ، لہجہ پُر جوش اور عبارت مختصر ہے۔ ان کی تحریروں میں جوشِ بیان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ اُنھیں الفاظ کے برمحل استعمال پر پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ موتی چُنتے اور پروتے ہیں۔ علمی مسائل کے بیان میں بھی ان کا انداز شگفتہ رہتا ہے۔ عبارت سلیس، رواں اور بے ساختہ ہوتی ہے۔ اسلوب محققانہ جبکہ فقروں میں شعر کی حکمت اور بیان کا جادو ہوتا ہے۔ تاریخ نگاری اور تنقید نگاری میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ''سیرت النبی ﷺ'' ہے۔

سوال۔۱ مصنف نے اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو کیا بتایا ہے؟

جواب۔ سبق: اخلاقِ نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

اخلاق کا مقدم پہلو:۔ اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے۔ اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ وہ کام اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا دنیا کی تمام مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہیں اور وہ فطرتاً اسی پر مجبور ہیں۔ اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاقِ حُسنہ کا وہ پہلو پسند کرے اس کی شدّت سے پابند کرے اور ہمیشہ اُسے تبدیل کیے بغیر اس طرح اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے۔ اس کی مستقل مزاجی دیکھ کر لوگ یہ یقین کریں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس شخص سے یہ کام اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے: سورج سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو یہ خصوصیات اس سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتی۔ ایسی کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے۔

سوال۔۲ اگر کسی کی بات ناگوار لگتی، تو آپؐ کیا فرماتے؟

جواب۔ سبق: اخلاقِ نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

برداشت کا مظاہرہ کرنا:۔ حضرت محمدؐ حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ مجلس نبویؐ میں آپؐ کو کسی کی کوئی بات ناگوار لگتی تو برداشت کرتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ کسی شخص کی کوئی بات نہ پسند آتی تو اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ''واقعہ :۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس کے سامنے کچھ بھی نہ فرمایا۔ جب وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دیں کہ یہ رنگ دھوڈالے۔''

سوال۔۳ مصنف نے آپؐ کے اخلاق کا سب سے نمایاں وصف کیا بتایا ہے؟

جواب۔ سبق: اخلاقِ نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

اخلاق کا نمایاں وصف:۔ آپؐ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپؐ کو بے انتہا محبت تھی۔ ان میں سے حضرت فاطمہؓ اس قدر عزیز تھی کہ جب وہ آتیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت فاطمہؓ کی غربت اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ خود ہی چکی پیستیں، خود ہی پانی کے مشک بھرلاتیں۔ رسول پاکؐ کی زندگی اور اخلاق تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اِس لیے آپؐ کے اخلاق میں جو خوبی سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ ایثار یعنی قربانی کا جذبہ

سوال۔۴ جب لوگ آپؐ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تو آپؐ نے کیا فرمایا؟

جواب۔ سبق: اخلاق نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

آپؐ کی تعظیم میں کھڑے ہونا:۔ حضرت محمد ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ایک دفعہ حضرت محمدؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو لوگوں نے آپؐ کو دیکھا تو تعظیم کے لیے اُٹھے تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اُٹھو'' (اُس وقت ایران، روم اور ہندوستان میں شہنشاہیت تھی اور وہاں پر لوگ بادشاہ کے سامنے سر جھکانے اور سجدہ کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔) مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر عاجزی سے اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپؐ کو پہچان نہ سکتا۔ واقعہ:۔ ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا، لیکن نبوت کا رُعب اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔آپؐ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

سوال۔۵ جب کسی فصل کا نیا میوہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپؐ کیا فرماتے تھے؟

جواب۔ سبق: اخلاق نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

حضرت محمدؐ کا معمول تھا کہ جب کوئی فصل کا نیا میوہ آپؐ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے کم عمر بچہ ہوتا، اس کو عنایت فرماتے۔ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ایک دفعہ آپؐ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدو آیا! اس نے کہا'' تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ'' اگر تمھارے دل سے محبت چھین لے، تو میں کیا کروں؟

سوال۔۶ جب کبھی حضرت فاطمہؓ آپؐ کے پاس آتیں تو، آپؐ کیا کرتے تھے؟

جواب۔ سبق: اخلاق نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

حضرت فاطمہؓ کی آمد پر آپؐ کا ردِعمل:۔ آپؐ اولاد سے محبت کرتے تھے۔خاص کر ان کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ بہت عزیز تھی۔حضرت فاطمہؓ آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔جب کبھی آپؐ سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب بار یابِ خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہوتیں۔

سوال۔۷ حضرت امام حسینؓ کے متعلق آپؐ نے کیا فرمایا تھا؟

جواب۔ سبق: اخلاق نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

حضرت امام حسینؓ سے محبت:۔ حضرت امام حسینؓ حضرت محمدؐ کے چھوٹے نواسے تھے۔وہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بیٹے تھے۔آپؐ کو ان سے بے حد محبت تھی، فرماتے تھے یہ میرے گلدستے ہیں۔حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے، تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا۔حضرت فاطمہؓ صاحبزادوں کو لاتیں تو آپؐ ان کو چومتے اور سینے سے لپٹاتے۔آپؐ فرماتے: ''حسینؓ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔خدا اس سے محبت رکھے جو حسینؓ سے محبت رکھتا ہے'' ایک دفعہ آپؐ کسی دعوت پر جا رہے تھے۔حضرت امام حسینؓ راہ میں کھیل رہے تھے۔آپؐ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے۔وہ ہنستے ہوئے پاس آ کر نکل جاتے تھے۔بالآخر آپؐ نے اُنھیں پکڑ لیا۔ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک ہاتھ سر پر رکھ کر سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا:
'' حسینؓ میرا ہے اور میں اس کا ہوں '' اکثر امام حسینؓ کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ: ''خدایا ! میں اِس کو چاہتا ہوں اور اُس کو بھی چاہتا ہوں، جو اس کو چاہے ''

سوال۔۸ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے فدیے کے طور پر کیا چیز ارسال کی تھی؟

جواب۔ سبق: اخلاق نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار /عناصرِ خمسہ

آپؐ کے داماد اور حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص غزوہ بدر میں کافروں کی جانب سے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔اس جنگ کے ستر (۷۰) کافر قیدیوں میں ایک ابوالعاص بھی تھے۔رسول پاکؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ بدر کے قدیوں سے فدیہ کی رقم لے کر انہیں چھوڑ اجائے گا۔جب ابوالعاص فدیے کی رقم ادا نہ کر

سکے،تو گھر کہلا بھیجا۔حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔یہ وہ ہار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے انہیں دیا تھا۔رسولِ پاکؐ نے جب ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے۔ اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔صحابہؓ سے فرمایا! ''اگر تمہاری مرضی ہو تو ہار زینبؓ کو بھیج دو۔'' سب نے سروچشم منظور کیا۔

سوال۔ سیاق وسباق کا حوالہ کے مندرجہ ذیل اقتباس کی وضاحت کریں۔

''مجلس نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ احساس غیرت میں کمی نہ آجائے۔''

جواب۔ حوالہ متن:۔ سبق: اخلاقِ نبویؐ مصنف: مولانا شبلی نعمانی ادبی حیثیت: سوانح نگار/عناصرِ خمسہ

سیاق وسباق:۔ سبق میں حضرت محمدؐ کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں بتاتے ہوئے۔ہمیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں ہمیشہ ثابت قدم اور مستقل مزاج رہنا چاہیے۔آپؐ نہایت نرم مزاج،خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔آپؐ کا چہرہ مبارک ہنستا تھا۔گفتگو میں سنجیدگی نمایاں تھی۔کسی سے ملتے تو پہلے سلام اور مصافحہ فرماتے۔آپؐ کے اخلاق کا نمایاں وصف ایثار تھا۔اپنا کام خود کیا کرتے۔بچوں پر نہایت شفقت فرماتے۔االغرض آپؐ حسنِ اخلاق کا پیکر تھے

وضاحت:۔ حضورؐ کی مجلس مبارک یعنی مسجد نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی۔ہر وقت لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔جو لوگ دیر سے آتے تو اُن کو جگہ ملنے میں مشکل ہوتی۔جب کبھی ایسا موقع آتا کہ جگہ نہ ہوتی تو آپؐ اپنی چادر مبارک بچھا دیتے تھے اور مجلس میں آنے والوں کو چادر پر بٹھا دیتے۔اِسی طرح مجلس میں اگر کسی کی بات ناگوار محسوس ہوتی تو خاموش ہو جاتے یعنی اُس شخص کے سامنے ناگواری کا اظہار نہ فرماتے اور نہ ہی مجلس میں اُس شخص کے نام کا ذکر کرتے بلکہ عام انداز اور مثالیں اپنا کر فرماتے کہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں یا لوگ ایسا کام کرتے ہیں۔یا بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے آپ ﷺ سمجھانے کا یہ طریقہ اس لیے اختیار فرماتے تا کہ اس شخص کی رسوائی نہ ہو اور نہ ہی وہ دوسروں کے سامنے شرمندگی محسوس کرے اور نہ لوگوں کی انگلیاں اس کی طرف اُٹھیں۔اس کے علاوہ یہ طریقہ اس لیے بھی اختیار کرتے کہ اصلاح کا پہلو سامنے رہے اور مقصد بھی حاصل ہو۔

تنقیدی جائزہ:۔

مولانا الطاف حسین حالؔی

نثر نگاری کی خصوصیات: حالی ایک ایسے ادیب ہیں۔جنہیں قدرت نے بہت سی صلاحیتیں دے کر پیدا کیا۔آپ بیک وقت عمدہ نثر نگار، اعلیٰ شاعر، باعتبار سوانح نگار اور بہت بڑے نقاد ہیں۔آپ سرسید کے ہم خیال اور اصلاحی تحریک کے پرجوش مبلغ تھے۔سادگی سلاست،مقصدیت منطقیت،بے ساختگی اور مدعا نگاری ان کی نثر کی اہم خصوصیات ہیں۔آپ کو اردو کا پہلا باقاعدہ تنقید نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔تنقید کے میدان میں ''مقدمہ شعروشاعری'' اُردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ان کی نثر پر سرسید کا اثر بہت گہرا ہے۔آپ کی نثر رواں اور سلیس ہے۔اسلوب بے ساختہ اور بے تکلف ہے۔حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب،حیاتِ جاوید ،طبقات الارض اور دیوانِ حالی ان کی ایسی یادگار تصانیف ہیں۔جو اُنھیں شہرتِ دوام سے متصف رکھیں گی۔

سوال ۲ سوار راہ چلتوں سے یہ کیوں نہیں کہتے تھے کہ زمین سے ذرا یہ کوڑا تو اُٹھا دو؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

بھیک مانگنے کی مذمت جس قدر اسلام میں کی گئی ہے۔شاید ہی کسی اور مذہب میں کی گئی ہو۔حضرت محمد ﷺ نے بھیک مانگنے کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔آپؐ سوال کرنے کی روک تھام کو ضروری سمجھتے تھے۔چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف بن ملکؓ (عشرہ مبشرہ) فرماتے ہیں کہ ''جن لوگوں نے بیعت کی تھی۔بعض کو میں نے دیکھا کہ اگر کسی کے ہاتھ سے سواری کی حالت میں کوڑا اگر بھی جاتا،تو وہ اس خیال سے کہ کہیں یہ بھی سوال کرنے میں داخل نہ ہو۔کسی راہ چلتے سے اپنا کوڑا نہ مانگتے تھے۔

سوال۔۳ کوئی ایسی روایت لکھیں، جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول پاکؐ بھیک مانگنے کو ناپسندیدہ فعل قرار دیتے تھے؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

بھیک مانگنے کی مذمّت جس قدر اسلام میں ہے۔شاید کسی اور مذہب میں کی گئی ہو۔حضورؐ نے بھیک مانگنے کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔اس بارے میں بہت سے روایات موجود ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ:''جس شخص کے گھر میں ایک وقت کا بھی کھانا موجود ہو اور وہ سوال کرتا ہے۔اس کے بارے میں فرمایا: '' وہ اپنے لیے کثرت سے آتشِ دوزخ طلب کرتا ہے۔'' چنانچہ ثابت ہوا کہ سوال کرنا ناپسندیدہ فعل ہے۔

سوال۔۴ گداگری سے کون کون سی انفرادی اور اجتماعی برائیاں جنم لیتی ہیں؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

اسلام میں گداگری کی شدید مذمت کی گئی۔لیکن گداگری ہمارے معاشرے میں ناسور کی طرح پھیلی جارہی ہے۔پہلے اپاہج ، بے سہارا اور لاوارث بھیک مانگتے تھے۔لیکن اب لوگوں نے اِسے اپنا پیشہ بنالیا ہے۔جس سے انفرادی اور اجتماعی برائیاں جنم لے رہی ہیں۔

انفرادی برائیاں:۔ انسان میں عزتِ نفس ختم ہو جاتی ہے اور انسان خوداعتمادی سے محروم ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہیں رکھتا۔گھٹیا عادات کا غلام بن جاتا ہے۔سب سے بڑی بُرائی یہ ہے کہ محنت سے جی چراتا ہے۔اور غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ڈھیٹ، بے غیرت دروغ گو اور مکروفریب کا عادی بن جاتا ہے۔

اجتماعی برائیاں:۔ گداگری سے اجتماعی طور پر انسانی رشتے اور اخلاقی اقدار پامال ہو جاتے ہیں۔گداگری غلاموں کو جنم دیتی ہے۔اس کے علاوہ پوری قوم اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر ملک وقوم کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کی بجائے دوسری قوموں کی محتاج ہو جاتی ہے، اور ایسی قوم بیرونی امداد پر انحصار کرنے کے نتیجے میں اقوامِ عالم کی نظروں سے گر جاتی ہے۔

سوال۔۵ علامہ مقدی نے تاریخ/اندلس میں سائلوں کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد مقری جو مراکش کے ایک مشہور ادیب اور عالمِ دین تھے۔وہ اپنی مشہور کتاب تاریخ اندلس میں لکھتے ہیں کہ اندلس میں سائل کو تندرست اور کام کرنے کے لائق دیکھتے ہیں تو اس کو نہایت ذلیل اور سُست کہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہاں اپاہج اور معذور کے علاوہ کوئی سائل نظر نہیں آتا۔مگر افسوس ہے کہ اس زمانے میں ہمارے ملک میں مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔اس قدر کسی قوم کے افراد نظر نہیں آتے ہیں۔

سوال۔۶ حضرت عمرؓ نے یہ کیوں فرمایا کہ تُو سائل نہیں تاجر ہے؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کی آواز سنی اور یہ سمجھ کر کہ بھوکا ہے۔اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔تھوڑی دیر بعد اس کی آواز پھر سنائی دی۔جو کھانا کے لیے مانگ رہا تھا۔آپؓ نے اُسے بلوایا اور دیکھا کہ اس جھولی روٹیوں سے بھری ہے۔آپؓ نے جھولی کا ایک سرا پکڑا کر اس کو اُونٹوں کے آگے جھاڑ دیا۔ اور فرمایا: ''تُو سائل نہیں، تاجر ہے۔''

سوال۔۷ مصنف نے علماء اور واعظین سے کیا درخواست کی ہے؟

جواب۔ سبق: اسلام میں گداگری کی مذمّت مصنف: الطاف حسین حالی ادبی حیثیت: تنقید نگار /عناصرِ خمسہ

(واعظین مراد نصیحت کرنے والے)مصنف نے علماء اور واعظین سے یہ درخواست کی ہے کہ یہ ذمہ داری ان کی ہے کہ نہایت آزادی اور جُرات کے ساتھ وعظ اور نصیحت کی مجلسوں میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کا حوالہ دے کر سوال کرنے کی برائی بیان کریں۔اُن نقصانات کی نشان دہی کریں جو گداگروں کی زیادتی سے کسی قوم کو درپیش آتے ہیں۔اسی طرح فضول خرچی اور بے جا خرچ کے بارے میں بھی عام مسلمانوں کو بار بار بتایا جائے۔کہ فضول خرچی اچھی عادت نہیں۔قرآن مجید میں ہے کہ: ''بے شک فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔'' اگر یہ بات عام مسلمانوں کے ذہن میں بٹھادی جائے کہ

Tehkals.com Learn & Teach

صحت مند مانگنے والوں کو خیرات کے طور پر دینا نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے تو ممکن ہے کہ ہماری قوم میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد میں کمی آ جائے۔

مضمون نگاری کی نمایاں خصوصیات/سرسید احمد خان کا فنی وفکری تنقیدی جائزہ

سرسید کی ادبی خدمات کا مختصر جائزہ/آسان نثر کے بانی ہیں مختصر بیان کریں۔

سرسید احمد خان

سرسید نے اُردو ادب اور اس کی ترقی میں نمایاں حصّہ لیا۔انھوں نے اُردو نثر کو سلاست اور روانی کے زیور سے آراستہ کیا۔اُردو نثر کے پُرتکلف اور مشکل انداز کو ترک کیا۔آپ نے اُردو نثر کو مشکل الفاظ سے نکال کر ماحول اور زندگی کی عکاسی سے روشناس کرایا۔سرسید نے سلیس اور سادہ طرزِ تحریر کو فروغ دے کر اردو زبان پر احسان کیا اور ایسی نثر لکھی۔ جو دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے کی عمدہ مثال ہے۔آپ کی تحریروں میں بول چال کا انداز پایا جاتا ہے۔آپ کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات منطقیانہ انداز ہے۔استدلال کا رنگ ان کے جملوں اور پیراگرافوں میں نظر آتا ہے۔آپ کی تحریروں میں کہیں کہیں ظرافت اور مزاح بھی پایا جاتا ہے۔پہلے نثر نگار ہیں جنہوں نے انگریزی زبان وبیان کی تقلید میں اصلاحی تحریک شروع کی جو سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

سوال۔۲ کسی ایسی آیت یا حدیث کا ترجمہ لکھیں۔جس سے ثابت ہو کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں؟

جواب۔ سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی /عناصرِ خمسہ

اسلام کی رُو سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اسلام میں کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔بلکہ جس نے کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک ہی قوم میں شامل ہو گیا۔اس بارے میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان میں سے ایک قرآنی آیت یہ ہے جس میں اللہ نے خود فرمایا ہے۔

ترجمہ: بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔پس اپنے بھائیوں کے مابین مصالحت کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

سوال۔۳ ''برادرانِ یوسفؑ '' سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب۔ سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی /عناصرِ خمسہ

اس اصلاحی مضمون میں سرسید احمد نے قومی اتفاق کی ضرورت پر زور دیا ہے اور مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے ''برادرانِ یوسفؑ '' کا حوالہ دیا ہے۔''برادرانِ یوسف سے مراد حضرت یوسفؑ کے بھائی''۔حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے،حضرت یوسفؑ کا ایک سگا بھائی بنیامین تھا اور دس سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت یوسفؑ حسن وجمال کا شاہکار تھے،اپنی بہترین عادات کی وجہ سے اپنے والد کو بہت عزیز تھے۔لیکن آپؑ کے سوتیلے بھائیوں کے دل میں آپؑ کے لیے حسد اور بغض تھا۔اسی وجہ سے وہ کسی بہانے حضرت یوسفؑ کو جنگل کی طرف لے گئے اور اُنہیں خشک کنوئیں میں دھکیل دیا۔مصنف نے اس سبق میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے بدترین رویوں کا حوالے دے کر جامع انداز میں قومی انتشار کا خاکہ پیش کیا ہے کہ اللہ نے مسلمان قوم کو اخوت اور بھائی چارے کے رشتے میں جوڑا ہے۔لیکن ہماری قوم نے اس رشتے کی بنیادوں کو حسد،بغض اور دلی عداوت سے کھوکھلا کر دیا ہے۔خونی رشتوں میں باہمی محبت اور یک دلی بہت کم ہے۔جس کے نتائج فرقہ بندی کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔اور یہی برائیاں ہماری قوم کو تنزل کی گہری کھائی میں دھکیل دیتی ہیں۔

بقول حالی: چاہِ یوسفؑ سے آتی ہے یہ صدا دوست تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

سوال۔۴ انسان کے کن اُمور کا تعلق خدا اور انسان کے درمیان ہے؟

جواب۔ سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی /عناصرِ خمسہ

انسان جب اپنی ہستی پر نظر ڈالے گا تو وہ اپنے امور میں دو حصّے پائے گا۔ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے،جیسے حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسرے کا تعلق اپنے جیسے انسانوں سے ہے۔جسے حقوق العباد کہتے ہیں۔جن اُمور کا تعلق خدا اور انسان کے درمیان ہے وہ یہ ہیں۔انسان کا دل،انسان کا مذہب،انسان کا اعتقاد اس کے عقائد کی جو کچھ برائی یا بھلائی ہو اس کا معاملہ اس کے اور خدا کے مابین ہے۔نہ بھائی اس میں شریک ہے،نہ بیٹا،نہ دوست،نہ آشنا اور نہ قوم ہے۔

پس جس بات کا اثر اس کی ذات تک محدود ہے اُس سے ہمیں کوئی بھی غرض نہیں رکھنی چاہیے۔ جب خدا اور خدا کے رسولؐ کو برحق جانتا ہے۔
تو اس سے کسی قسم کی مخالفت نہیں رکھنی چاہیے۔ بلکہ اس کو بھی بھائی اور کلمہ کے شریک سمجھنا اور اس اخوت کو جس کو خدا نے قائم کیا ہے۔ قائم رکھنا چاہیے۔

سوال۔۵ انسان کے کن اُمور کا تعلق اپنے جیسے انسانوں سے ہے؟

جواب۔ سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی / عناصرِ خمسہ

انسانی زندگی کی حقیقت کا جائزہ لیں تو دو طرح کے معاملات درپیش ہوتے ہیں۔ ایک خدا کے ساتھ (حقوق اللہ) اور دوسرا انسانوں کے ساتھ (حقوق العباد) خدا کے معاملے میں انسان کا دل مذہب اور عقائد شامل ہیں۔ جو تعلق اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ ہے وہ یہ ہے۔

حقوق العباد:۔ آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی ہمدردی ایک دوسرے کی اعانت (مدد) جس کے مجموعے کا نام قومی ہمدردی ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادران برتاؤ، قومی اتفاق اور قومی ہمدردی قائم ہوسکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

سوال۔۶ ہمارے کاموں میں برکت کیوں نہیں رہی؟

جواب۔ سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی / عناصرِ خمسہ

مصنف نے ہمیں اس سبق میں اتفاق جیسی اخلاقی خوبی کے بارے میں بتایا ہے اور اسے انفرادی و اجتماعی کامیابی کا زینہ قرار دیا ہے۔ جس انسان نے اس خوبی کی قدر نہیں کی وہ بحیثیت فرد اور قوم ذلیل و رسوا ہونے کے ساتھ ساتھ تنزل کا شکار ہوا۔

کاموں میں برکت نہ ہونے کی وجوہات:۔ ہمارے کاموں میں برکت نہ ہونے کی واحد اور اہم وجہ اسلامی اخوت سے روگردانی ہے۔ عفو و درگزر ہمدردی اور بھلائی کے جذبات کا فقدان (کمی) ہے کیونکہ ہم نے دوسروں کی خیر خواہی کی بجائے بدخواہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ لالچ اغراض پسند اور تنگ نظری سے ہر شخص کامیابی کی منزل طے کرنا چاہتا ہے۔ ہر شخص کی گفتار و کردار میں منافقت کی جھلک نظر آتی ہے۔ انہی حالات کے پیش نظر اقبال بھی پکار اُٹھے۔

اخوت کا بیان ہو جا محبت کی زبان ہو جا

سوال۔۹ جملہ فعلیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ جملہ فعلیہ:۔ ایسا جملہ جس میں مسندالیہ تو اسم ہو مگر مسند میں کوئی فعل پایا جائے۔ جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔ جملہ فعلیہ کبھی فاعل اور فعل سے مل کر بنتا ہے، جسے "فعل لازم" کہتے ہیں۔ اور جب فعل، فاعل، مفعول سے مل کر بنے تو "فعل متعدی" کہلاتا ہے۔

جملہ فعلیہ کی پہچان:۔ جملہ فعلیہ کے آخر میں ہمیشہ ا، ی، ے، آتا ہے۔ مثلاً پڑھا، گئی، سوئے وغیرہ

پانچ جملہ فعلیہ لکھیں اور ان میں فاعل، فعل، مفعول کی نشاندہی کریں۔

ثناء نے کتاب پڑھی۔

ثناء ---------- فاعل	مسندالیہ
نے ----------علامتِ فاعل	
کتاب ---------- مفعول	مسند
پڑھی ---------- فعل	(جملہ فعلیہ ہوا)

سوال۔۱۰ سیاق و سباق کے حوالے سے اقتباس کی وضاحت کرنا۔

جواب۔ "ہم سب آپس میں بھائی بھائی-----------------مذہبی لباس کو خلعت سمجھنے لگتے ہیں۔"

حوالہ متن: سبق: قومی اتفاق مصنف: سرسید احمد خان ادبی حیثیت: جدید اُردو نثر کے بانی / عناصرِ خمسہ خطاب: سر

سیاق:۔ یہ ایک اصلاحی مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے قومی اتفاق کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ پرانے زمانے میں قوموں کا شمار کسی بزرگ

وضاحت:۔ مسلمانوں کے موجودنفاق کودیکھ کرمصنف نہایت افسوس سے کہتے ہیں کہ ہم سب اسلام کے روحانی رشتے میں بندھا ہونے کے باوجود نااتفاق کی مثال بنے ہوئے ہیں۔ مصنف کہہ رہا ہے کہ ہماری مثال حضرت یوسفؑ کے بھائیوں جیسی ہے۔جوحضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔آپ کا ایک سگا بھائی بنیامین اوردس سوتیلے بھائی تھے۔جوعمر میں ان سے بڑے تھے۔حضرت یوسفؑ حسن و جمال کا شاہکار تھے اوراپنے والد کے بہت قریب تھے۔سوتیلے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے انہیں ہلاک کرنے کی نیت سے خشک کنوئیں میں دھکیل دیا تھا۔مصنف کہنا چاہتا ہے کہ وہ بھائی نہیں دشمن تھے۔اسی طرح آجکل کے مسلمانوں میں محبت، ہمدردی، یک جہتی اوردوستی کے جذبے کی کمی ہے۔ان کی جگہ دشمنی، بغاوت، بہت عام ہوگئی ہے۔اوراس کا نقصان نااتفاقی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کے حوالے سے واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کواشرف المخلوقات کا درجہ دے کر پیدا کیا اورابلیس سے کہا کہ اسے سجدہ کرولیکن اس کے انکار کرنے پراسے جنت سے نکالا گیا۔اس ردعمل پرابلیس نے اللہ سے وعدہ کیا میں ضروراولادِ آدمؑ کوسیدھے راستے سے ہٹاؤں گا۔چنانچہ وہ ایک نورانی حیلے/ بہانے سے مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اوراس طرح ہم مسلمان مختلف فرقوں میں تقسیم ہوکرشیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔اورشیعہ،سنی اوردیوبند کےفرقوں میں تقسیم ہوکراسلام کا بول بالا کرنے کی بجائے ایک دوسرے پرکیچڑ اُچھالتے ہیں اورشیطان کوخوش کرتے ہیں۔

سباق:۔ مصنف نے نفاق کےنقصانات کو بیان کیا اوراسے ختم کرنے کی کوشش کرنے کے لیے یہ بات کی کہ اگرہم اپنی زندگی میں دوامورحقوق اللہ اورحقوق العباد کوسامنے رکھیں اوراس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں تو ہم ترقی کرسکتے ہیں۔کیونکہ ایک دوسرے کی مدد سے ہم ترقی کی راہ پرگامزن ہوسکتے ہیں۔ حقوق اللہ اورحقوق العباد میں دکھاوا نہ کریں۔قومی اتفاق کی کوشش کریں کیونکہ یہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔

Tehkals.com
Learn & Teach

تنقیدی جائزہ:۔

محمد حسین آزاد

محمد حسین آزاد کوایک منفرد انشاءپرداز کی حیثیت حاصل ہے۔آپ نے جب نثرلکھنی شروع کی تو اُس وقت نثر کے دونمونے تھے۔ایک قدیم اورمشکل عبارتوں والی نثر تھی اوردوسری طرف غالب اورسرسید کی سادہ نثر جس میں مقصدیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔آپ نے پرانی اورنئی نثر کے اسلوب کوملا کرایک نئے انداز کی نثر کی بنیادرکھی۔آپ کوشاعرانہ نثر سے شہرت ملی۔آپ نے تنقید، تاریخ اورخیالی موضوعات پر بھی لکھا۔آپ کا اسلوب، بیان کی رنگینی، الفاظ کی شوکت اورسلاست کا خوبصورت امتزاج ہے۔آبِ حیات اور نیرنگِ خیال کا اسلوب اتنا دلکش ہے کہ پڑھنے والا انشاپردازی کی لطافتوں میں کھوجاتا ہے۔آزاد الفاظ کے جادوگر رہیں آپ کا قلم موتی اگلتا اور پھول برساتا ہے۔اہم تصانیف میں نیرنگِ خیال، آبِ حیات، دربارِ اکبری، قصص ہندوغیرہ ہے۔

سوال۔ا سلطان افلاک کے دربار سے کیا اشتہار جاری ہوا؟

جواب۔ سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا صنف: تمثیل مصنف: محمد حسین آزاد ادبی حیثیت: انشاپرداز/تمثیل نگار لقب: آقائے اُردو

ایک دن مصنف سقراط حکیم اورایک دوسرے حکیم کی اس بات پر کہ اگرہم اپنی اپنی مصیبت آپس میں بدل سکتے توایسی صورت میں ہرشخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو بہتر سمجھتا پرسوچتے ہوئے سوگئے کہ خواب میں دیکھا۔سلطانِ افلاک کے دربار سے ایک اشتہار جاری ہوا کہ! تمام اہل عالم اپنے اپنے رنج والم اورمصائب اورتکالیف کو لا کرایک جگہ ڈھیر لگائیں۔اس کام کے لیے ایک میدان جومیدان خیال سے بھی زیادہ وسیع تھا،تجویز ہوااورلوگ آنا شروع ہوئے۔مصنف کہتا ہے کہ میں درمیان میں کھڑا اس تماشے سے لطف اُٹھار ہا تھا کہ ایک کے بعد ایک آتا اوراپنا بوجھ سر سے پھینک جاتا ہے اور جو بوجھ گرتا ہے وہ مقدار میں اور بڑا ہوجاتا ہے۔یہاں تک کہ مصیبتوں کا پہاڑ بادلوں سے بھی اونچا ہوگیا۔

سوال۔۲ وہم کی تصویرکس طرح پیش کی گئی ہے ؟

جواب۔ سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا صنف: تمثیل مصنف: محمد حسین آزاد ادبی حیثیت: انشاپرداز/تمثیل نگار لقب: آقائے اُردو

ایک دن مصنف سقراط حکیم اورایک دوسرے حکیم کی اس بات پر کہ اگرہم اپنی اپنی مصیبت آپس میں بدل سکتے توایسی صورت میں ہرشخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو بہتر سمجھتا۔ یہ سوچتے ہوئے سوگئے کہ خواب میں دیکھا۔سلطانِ افلاک کے دربار سے ایک اشتہار جاری ہوا کہ! ایک شخص بڑی تیزی سے پھیررہا ہے۔جواصل میں وہم ہے۔مصنف نے وہم کوایک مجسم صورت میں پیش کیا ہے۔وہ دیکھتے ہیں کہ میدان میں ایک دُبلا پتلا شخص آتا ہے وہ اس قدرکمزورہوتا ہے کہ ہوا اُسے اُڑالے جائے۔وہ اس ہجوم میں بڑی ہوشیاری اورتیزی سے اِدھراُدھر پھیررہا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا،جس میں شکل بڑی نظر آتی تھی۔اس کی پوشاک

پوشاک ہوا سے لہراتی تو عجیب وغریب صورتیں دکھائی دیتی تھی۔ اِس کی آنکھوں سے خوف آتا تھا۔ مگر اس کی نظر میں غم نمایاں تھا۔ اس کا نام وہم تھا۔ یہ ہر شخص کا بوجھ اُسی کے کندھوں پر لدوا کر مقررہ مقام تک لے جاتا۔

سوال۔۳ پیر مرد کا واقعہ بیان کریں؟

جواب۔ سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا صنف: تمثیل مصنف: محمد حسین آزاد ادبی حیثیت: انشا پرداز/ تمثیل نگار

مصنف محمد حسین آزاد خواب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی کے دربار سے ایک حکم/ اعلان جاری ہوا کہ تمام لوگ اپنے اپنے مسائل اور تکالیف لائیں اور مقررہ وسیع میدان میں پھینک جائیں۔ جب لوگ اپنی اپنی مصیبتیں لے کر آئے تو کچھ دیر کے بعد یہ حکم ہوا کہ اب سب کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں اپنے اپنے رنج والم تبدیل کرلیں۔ سب لوگ اپنی اپنی مصیبت تبدیل کرنے لگے توان لوگوں میں ایک بوڑھا آدمی بھی تھا۔ مصنف نے ان لوگوں میں سے ایک ایسے بوڑھے باعزت اور قابل احترام شخص کو دیکھا جو دردِ قولنج (آنتوں کا درد) میں مبتلا تھا اور تکلیف کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اپنی دولت کے لیے وارث چاہتا تھا چنانچہ دردِ قولنج کے بدلے اُس نے ایک نوجوان منتخب کیا۔ یہ لڑکا نافرماں اور گستاخ تھا۔ اس کے باپ نے اسی وجہ سے چھوڑا تھا۔ اس نے آتے ہی بوڑھے کو داڑھی سے پکڑ لیا اور خوب بے عزتی کی۔ اس پر بوڑھے نے فریاد کی کہ اسے اس کا دردِ قولنج دے کر وہ لڑکا واپس لے لیا جائے مگر مشکل یہ ہوئی کہ یہ تبدیلی اب نہیں ہوسکتی تھی۔

سوال۔۴ اس موقع پر کن چیزوں سے باآسانی نجات حاصل کی جاسکتی تھی؟

جواب۔ سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا مصنف: محمد حسین آزاد

ایک دن مصنف سقراط حکیم اور ایک اور حکیم کی اس بات پر غور کرتے ہوئے سو گئے کہ اگر دنیا والوں کو اپنی اپنی مصیبت میں تبدیلی کا موقع مل جائے تو وہ اپنی پہلی مصیبت کو بہتر سمجھیں گے۔ اسی خیال میں مصنف کی آنکھ لگ گئی اور خواب میں دیکھا کہ سلطان افلاک کے دربار سے ایک اشتہار جاری ہوا کہ تمام لوگ اپنی اپنی تکالیف لائیں اور ایک جگہ ڈھیر کریں۔ چنانچہ سب لوگ اپنی تکالیف لائے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ڈھیر میں انواع واقسام برائیاں اور امراض تھے۔ جن میں بعض امراض اصلی تھے اور بعض ایسے تھے جن کو غلط فہمی میں مرض سمجھ لیا گیا تھا۔ مصنف کے خیال میں اس موقع پر بداخلاقی، بےوقوفی، لالچ اور بےعقلی وجسمانی کمزوریوں سے کوئی نجات پانا چاہتا تو اس سے بہتر موقع کوئی اور نہ تھا۔ لیکن کسی نے بھی نفسانی ہوس اور عیوب عقلی یعنی اخلاقی برائیوں کو چھوڑنے کی کوشش نہ کی۔ صرف اپنی ظاہری خرابیاں اس ڈھیر میں لاکر پھینک دیں۔ باطنی برائیاں اپنے اندر رہی رہنے دیں۔ حالانکہ اِن سے باآسانی نجات پائی جاسکتی تھی۔

سوال۔ ۷ پانچ جملے لکھ کر ان میں مرکب ناقص اور مرکب تام کی نشاندہی کریں۔

جواب۔ **مرکب کی تعریف:** دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ مرکب کہلاتا ہے۔ اور مرکب کی دو اقسام ہیں۔

مرکب ناقص: یہ وہ مرکب ہوتا ہے جس سے سننے والے کو پورا مطلب حاصل نہ ہو۔ یہ مرکب ہمیشہ جملے کا حصّہ ہوتا ہے۔ مثلاً میری بہن ، یہ کرسی

مرکب تام: وہ مرکب جس سے سننے والا پورا مطلب سمجھ لے۔ یہ مرکب مفید یا جملہ بھی کہلاتا ہے۔ مثلاً میری بہن حافظ قرآن ہے۔ یہ کرسی لکڑی کی ہے۔

مرکب ناقص	مرکب تام
اس کا بستہ	اس کا بستہ بھاری ہے۔
علی کا بھائی	علی کا بھائی فرماں بردار ہے۔
میری گھڑی	میری گھڑی خوبصورت ہے۔
یہ دنیا	یہ دنیا فانی ہے۔
گڑیا کے بال	گڑیا کے بال چمکیلے ہیں۔

سوال۔۸ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر مندرجہ ذیل اقتباس کی وضاحت کریں۔

جواب۔ ''ایک پیر مرد کہ نہایت معزز ـــــــــــــــــــــــ یہ مبادلہ اب پھر نہ ہوسکتا تھا۔''

حوالہ متن:۔ سبق: انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا مصنف: محمد حسین آزاد

سباق: یہ سبق مصنف نے تمثیلی انداز میں لکھا ہے۔جس میں انسانی فطرت کی عکاسی کی گئی۔مصنف سقراط حکیم اور ایک دوسرے حکیم کی اس پرلطف بات پر غور کرتے ہوئے کہ: اگر تمام اہلِ عالم اپنے مصائب ایک جگہ لا کر جمع کر دیں تو سب کو اپنی پہلی مصیبت بہتر معلوم ہوگی۔مصنف ایک خواب دیکھتا ہے کہ جس میں آسمان کے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے دربار سے حکم جاری ہوا کہ سب لوگ اپنی مصیبتیں میدان میں لا کر ڈھیر کر دیں۔لوگ آنا شروع ہوئے اِن میں ایک دبلا پتلا شخص بھی تھا جو وہم تھا۔اس ڈھیر میں کوئی افلاس پھینک رہا ہے، کوئی جسمانی عیوب لیکن کسی نے بے وقوفی نہ پھینکی۔اس کے بعد دوسرا حکم جاری ہوا کہ اپنی مرضی کے مطابق رنج و تکالیف تبدیل کر لیں۔مصنف کہتے ہیں کہ وہاں میں نے مختلف لوگوں کو دیکھا۔جن میں ایک پیر مرد بھی تھا۔وضاحت طلب اقتباس اسی حوالے سے ہے۔

وضاحت: مصنف نے اِن لوگوں میں ایک ایسے باعزت اور قابلِ احترام بوڑھے شخص کو دیکھا جو آنتوں کے درد میں مبتلا تھا، مرض کی شدت اتنی زیادہ ہوگئی۔ کہ وہ مرنے کے قریب تھا۔اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ اپنی دولت کے لیے ایک وارث اپنے درد کے بدلے چاہتا تھا۔اس مقصد کے لیے اس نے ایک خوبصورت نوجوان لڑکے کو منتخب کیا وہ لڑکا بہت بہت نافرماں اور گستاخ تھا۔اس کے باپ نے اس بدتمیزی کی وجہ سے چھوڑا تھا۔کیونکہ اس کے نزدیک اس سے بڑا دکھ اور کوئی نہ تھا۔اس لڑکے نے آتے ہی فوراً ابوڑھے کو داڑھی سے پکڑا اور بے عزتی کر ڈالی۔اتفاق سے اس وقت لڑکے کا حقیقی باپ نظر آیا جو درد قولنج سے تڑپ رہا تھا۔بوڑھے نے اِسے کہا کہ خدا کے لیے یہ لڑکا مجھ سے لے لو اور میرا درد واپس کر دو۔مگر مشکل یہ پیش آئی کہ اب یہ تبادلہ ممکن نہ تھا۔

سباق: اس بوڑھے شخص کے علاوہ اور بھی بہت سے تکالیف لے کر آئے لیکن سب نئی مصیبت سے نالاں تھے۔اتنے میں اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آیا اور حکم دیا کہ اپنی مصیبت واپس لے لیں۔اس کام کے لیے ایک فرشتہ جس کا نام صبر و تحمل تھا وہ میدان میں آیا اور سب کو پہلی مصیبت لوٹاتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔اس تمثیل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں صبر سے کام لینا چاہیے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

ناول نگاری کی خصوصیات /تنقیدی جائزہ:۔

مولوی نذیر احمد

نثر نگاری: نذیر احمد کو اُردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔سرسید کی طرح انہیں بھی یہ امتیاز حاصل ہے۔کہ انہوں نے کہانیوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔جو کام سرسید نے اپنے مضامین سے لیا آپ نے وہی کام اپنے ناولوں سے لیا۔آپ پہلے ناول نگار ہیں۔جنہوں نے اپنے ناولوں میں روزمرہ زندگی کے واقعات پیش کیے۔

مقصدیت: نذیر احمد نے ناول کسی نہ کسی مقصد کے تحت لکھے ہیں۔انہوں نے اسلامی معاشرے کی اصلاح اور نئی نسل خصوصاً عورتوں کے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ان کا انداز سراسر مقصدی ہے۔

معاشرے کی عکاسی: نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی بالکل سچی تصویر پیش کی ہے۔ان کے تمام ناول معاشرتی اور گھریلو مسائل سے متعلق ہیں۔ناولوں میں جنوں، پریوں کی کہانیوں کی بجائے انسانوں کے قصّے ہیں۔

کردار نگاری: نذیر احمد کے ناولوں کے کردار اسی معاشرے کے افراد ہیں، جس میں وہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔

اسلوبِ تحریر: اُردو ادب میں نذیر احمد کا مقام بہت بلند ہے۔ان کا اسلوبِ تحریر ان کی ذات کی طرح منفرد ہے۔ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیت حقیقت پسندی ہے اور ظرافت کی بہترین مثالیں بھی ملتی ہیں۔

سوال۔۲ نصوح نے خواب میں جس عدالت کو دیکھا، اس کی کیفیت اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

نصوح نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت اور عالی شان عمارت ہے۔چونکہ نصوح خود بھی کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ رہ چکا تھا۔اس لیے وہ سمجھا کہ یہ ہائی کورٹ ہے اور کچہری کا حاکم بہت رعب والا ہے۔لوگوں کا بڑا ہجوم ہے لیکن مکمل خاموشی ہے۔کسی کی کوئی مجال نہیں ہے کہ وہ ناجائز طریقے سے یا سفارش سے اپنا کام کروا سکے حاکم کا فیصلہ اٹل ہے۔کوئی اس کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتا اور نہ ہی کوئی درخواست کر سکتا ہے۔ہر مقدمے کا فیصلہ مقررہ تاریخ پر ہو جاتا تھا۔وہاں ہر مجرم کو باری باری اس کے اعمال کی نقل دی گئی۔جس پر اس کے جرائم درج تھے۔پھر نصوح نے دیکھا کہ حوالات میں ہر مجرم اپنے جرم کے مطابق سزا کاٹ رہا ہے۔ سختی اور نرمی جرائم کے مطابق ہے۔

سوال ۔۳ نصوح نے خواب میں اپنے والد کو کہاں دیکھا؟

جواب ۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

نصوح نے والد کو حوالاتیوں میں دیکھا: نصوح نے خواب میں جس کچہری کو دیکھا تو وہاں باری باری مجرموں کو اُن کے جرائم کی فہرست دی جا رہی تھی ان میں وہ لوگ شامل تھے، جو مر چکے تھے نصوح حیران تھا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ اور یہ کون سی جگہ ہے؟ اس حیرانی میں اس نے حوالاتیوں میں اپنے والد کو دیکھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ شاید یہ نظر کا دھوکا ہے۔ لیکن اس نے غور کیا تو واقعی اس کے والد تھے۔ نصوح حیران ہوا اور آگے بڑھ کر اپنے والد کے قدموں پر گر پڑا۔

سوال ۴ باپ نے اپنے اعمال نامے کے بارے میں بیٹے سے کیا کہا؟

جواب ۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

نصوح نے خواب میں دیکھا کہ ایک کچہری ہے اور وہاں پر بہت سارے مجرم ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ان کے جرائم کی ایک نقل دی گئی تھی جو اصل میں اعمال نامے تھے۔ نصوح نے اپنے والد کو بھی دیکھا جو مجرموں میں شامل تھے اور ان کے ہاتھ میں بھی اعمال نامہ تھا۔ بیٹے کے پوچھنے پر باپ نے کہا کہ یہ میرا گناہوں سے بھرا ہوا اعمال نامہ ہے اور میں اپنے گناہوں کی جواب دہی کر رہا ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ دارالجزا ہے اور اللہ حاکم ہے، میرے گناہ ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں ہیں۔ اعمال نامہ کی رسوائی سے میں سخت پریشان ہوں۔

سوال ۔۵ اعمال نامے میں کون کون سے گناہ درج تھے؟

جواب ۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

اعمال نامے میں درج گناہ: نصوح نے خواب میں دیکھا کہ ایک کچہری ہے اور وہاں بہت سارے مجرم ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں اعمال نامے کی ایک ایک نقل ہے۔ جن میں ان کے گناہ درج تھے۔ نصوح کے والد کے ہاتھ میں بھی اعمال نامہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا۔ نصوح نے جب والد سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اُس کے والد نے جواب دیا کہ یہ میری رسوائی سے بھرا اعمال نامہ ہے۔ نصوح نے جب والد کا اعمال نامہ دیکھا تو ڈر گیا کیونکہ اُس میں بہت گناہ درج تھے۔ جن میں شرک، کفر، نافرمانی، ناشکری، بغاوت، بے ایمانی، نفاق، دکھاوا اور دنیا کی محبت غرض کوئی جرم نہ تھا جو اس میں لکھا نہ ہو۔

سوال ۔۶ نصوح کے باپ کے خلاف کون کون گواہی دینے پر آمادہ تھے؟

جواب ۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

گناہوں کے گواہ: نصوح نے جب خواب میں اپنے والد کا گناہوں سے بھرا اعمال نامہ دیکھا تو بہت ڈر گیا۔ اُس نے والد سے کہا کہ آپ نے یہ سارے گناہ قبول کرنے سے انکار کیوں نہیں کیا؟ والد نے اپنے بیٹے نصوح کو جواب دیا کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ میرے خلاف کراماً کاتبین کے ساتھ ساتھ جسم کے تمام اوضاء جس میں ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھیں گواہی دینے پر آمادہ ہیں۔ کاتبین وہ فرشتے جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔ اب لمحہ لمحہ کی گواہی دے رہے ہیں ان سے کوئی بھی بات چھپی نہیں تھی۔ وہ ایسے پتے کی بات کرتے ہیں کہ انکار ممکن ہی نہیں تھا۔

سوال ۔۷ ہمسائے کی سزا سے رہائی کیسے ممکن ہوئی؟

جواب ۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

نصوح کے باپ نے اپنے ہمسائے کی سزا سے رہائی کے بارے میں یہ بتایا کہ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہے۔ اس پر بہت سارے الزامات تھے۔ مگر جہاں اللہ تعالیٰ کا انصاف کامل ہے۔ وہاں رحم بھی اعلیٰ درجے کا ہے۔ اس شخص کے پس ماندوں (خاندان والوں) نے اس کے واسطے بہت سی دعائیں کیں۔ اِسی وجہ سے ہمسائے کو بُلا کر ارشاد فرمایا: ''تیرے افعال جیسے تھے وہ تجھ پر اب مخفی نہیں رہے۔'' مگر تیرے زن و فرزند (بیٹے اور بیوی) تیری معافی کے واسطے گڑگڑاتے ہیں۔ ہم کو یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تُو نے اپنے خاندان میں نیکی کا بیج بویا۔ جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔

سوال۔۸ اس سبق کا مرکزی خیال لکھیں۔

جواب۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

مرکزی خیال:۔ اس سبق کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان صرف دنیا کا ہو کر نہ رہے۔ بلکہ دنیا کے کاموں کے ساتھ ساتھ ایسے نیک اعمال کر کے دنیا سے جائے کہ آخرت کی کامیابی بھی مل جائے کیونکہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔(اس ناول میں مصنف نے ابدی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔یعنی موت کے بعد ہی انسان کی ابدی اور حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے) یہ دنیا عارضی اور فانی ہے۔لیکن انسان اس دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اپنے اعمال نامے کو گناہوں سے بھر دیتا ہے۔جبکہ کراماً کاتبین قیامت کے دن گواہی دیں گے۔اس لیے نیک اعمال کریں اور اولاد کی تربیت اسلامی قدروں کے مطابق کی جائے کیونکہ نیک اولاد مغفرت کا ذریعہ ہے۔ مرنے کے بعد والدین کے لیے اولاد کا رونا دھونا کام نہیں آتا بلکہ سچے دل سے بخشش کا ذریعہ دعائیں ہیں۔اس کے علاوہ ہر عبادت خلوصِ نیت سے کرنی چاہیے۔

سوال۔۹ اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کیوں ضروری ہے؟

جواب۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

اسلامی خطوط پر تربیت کی اہمیت: اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت اس لیے ضروری ہے کیونکہ نیک اولاد دنیا و آخرت میں والدین کا سہارا ہوتی ہے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی۔اس لیے اولاد کو اسلامی قدروں سے روشناس کروانا چاہیے۔نیک اولاد بڑی دولت ہے۔اس لیے مال و دولت کو ثانوی درجہ دینا چاہیے۔جو لوگ اسلامی خطوط پر تربیت نہیں کرتے ، بچے ان کے ہی نقشِ قدم پر چل کر دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور جب والدین وفات پا جائیں تو وہ دکھاوے والی صدقہ خیرات کرتے ہیں۔سچے دل سے بخشش کی دعا نہیں کرتے جس کی وجہ سے والدین اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

سوال۔۱۲ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر اقتباس کی وضاحت کریں۔ ’’کیوں نہیں، یہ انھیں اعمال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لمبی تان کر سویا کہ قبر میں آ کر جاگا ‘‘

جواب۔ حوالہ متن:۔ سبق: نصوح کا خواب مصنف: ڈپٹی/مولوی نذیر احمد صف: ناول ادبی حیثیت: ناول نگار/عناصرِ خمسہ

(مولوی نذیر احمد کا انداز سراسر مقصدی ہے۔اس ناول میں انہوں نے ایک خیالی کردار نصوح کا سہارا لے کر ایک حقیقت اور سچائی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے روزِ محشر کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ حساس دل والے اس کو پڑھ کر گناہوں سے توبہ کر لیں)

سبق میں مصنف نے ہیضے کی ایک ایسی وباء کا ذکر کیا ہے۔جس سے دہلی کے زیادہ تر لوگ مر گئے تھے۔ان لوگوں میں دہلی کا ایک مالدار شخص نصوح جو اس بیماری کا شکار ہو گیا تھا۔حکیم کی دوا سے وہ تھوڑی دیر سو گیا اور اس نے خواب میں عدالت کا منظر دیکھا۔چونکہ وہ خود ڈپٹی مجسٹریٹ رہ چکا تھا اس لیے وہ سمجھا کہ یہ ہائی کوٹ کی کچہری ہے۔جس کا حاکم رعب والا ہے۔وہاں لوگوں میں نصوح کا والد بھی تھا جس کے ہاتھ میں اعمال نامہ تھا۔اس کے خلاف کراماً کاتبین کی گواہی بھی درج تھی۔نصوح نے والد کو کہا کہ جو نیک کام آپ نے دنیا میں کیے تھے کیا وہ آپ کے کچھ کام نہ آئے؟ والد نے کہا میں اپنے گناہوں سے انکار نہیں کر سکتا۔حاکم اعلیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں۔والد نے کہا کہ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی کا حکم ہوا اگرچہ وہ بھی گناہگار تھا لیکن اس نے اپنی اولاد میں نیکی کا بیج بویا تھا۔نصوح نے والد کو بتایا کہ ہم نے بھی آپ کی وفات کے بعد خیرات اور رسمی دعائیں کیں۔لیکن میراث کے مسئلے ابھی تک حل نہیں ہوئے۔ وضاحت طلب اقتباس اسی حوالے سے لیا گیا ہے۔

وضاحت:۔ اس اقتباس میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔دنیا کی رنگینیوں میں نہیں کھونا چاہیے۔ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہم نیک اعمال خلوصِ نیت سے کریں تو ہمیں پورا اجر ملے گا۔جب نصوح نے والد کو تکلیف میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ تو نماز روزے کے پابند تھے کیا ان عبادات کی وجہ سے بھی آپ کی تکلیف کم نہیں ہوئی؟ والد نے جواب دیا کہ کیوں نہیں اِن عبادات کی وجہ سے ہی میں دوسروں سے کم عذاب میں ہوں۔تکلیف کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو عبادات کیں تھیں، ان میں خلوص نیت نہیں تھی۔اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔جب ہماری نیت میں منافقت اور دکھاوا ہو گا تو ایسے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا کہ میری نمازیں خلوصِ نیت سے خالی تھیں۔جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا تو دنیا کی بھولی ہوئی باتیں مجھے یاد آتی۔میں بہت جلدی جلدی نماز پڑھتا جیسے کوئی گھاس کاٹ رہا ہو۔یعنی میں نماز کے آداب وشرائط کا خیال نہیں رکھتا تھا۔میں رمضان کے مہینے میں روزے تو رکھتا تھا لیکن عید کا انتظار اس طرح کرتا کہ جیسے کسی کو قید کی سزا سنائی گئی ہو اور وہ اس سزا کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔پورے تیس روزے رکھنا میرے لیے موت کے برابر ہوتا تھا۔میں اس فانی دنیا میں اس طرح گیا تھا کہ جس طرح ایک مسافر کسی سرائے میں کچھ وقت کے لیے قیام کرتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔لیکن میں یہ بات بھول گیا اور اس دنیا میں اس طرح کھو گیا کہ موت کے بعد ہی احساس ہوا کہ میں نے کیا کھو دیا ہے؟ لیکن اس وقت پچھتاوے کے سوا مجھے کچھ نہ ملا۔

قواعد: (روزمرہ / محاورہ)

ا۔ محاورہ کسے کہتے ہیں؟

محاورہ کی تعریف: دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان مخصوص اور غیر حقیقی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ محاورہ کہلاتا ہے۔ محاورے میں الفاظ کا استعمال حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں ہوتا ہے۔ جملے میں ہم موقع محل کے مناسبت سے اس کا فعل تبدیل کر سکتے ہیں۔ محاورے میں کوئی بات پوشیدہ ہوتی ہے۔ محاورے کی علامت ''نا'' ہے۔ امثال: (۱) باغ باغ ہونا (۲) کام تمام ہونا (۳) اینٹ سے اینٹ بجانا

۲۔ روزمرہ کسے کہتے ہیں؟

روزمرہ کی تعریف:۔ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ ہے جو اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور جو اہلِ زبان کے اسلوب اور بول چال کے مطابق ہو۔

(۱) وہ آبِ زم زم پیتا ہے۔ (۲) وہ بلا ناغہ سکول جاتا ہے۔ (۳) اس کے سر میں درد ہے۔

نمایاں الفاظ روزمرہ ہیں۔

تنقیدی جائزہ:۔

منشی پریم چند

منشی پریم چند اُردو کے اہم افسانہ نگار ہیں۔ ناول نگاری میں بھی آپ کو شہرت حاصل ہے۔ آپ کے افسانوں کی نمایاں خصوصیات آپ کا قومی جذبہ ہے۔ وطن پرست افسانہ نگار ہیں۔ وطن کی عظمتوں سے دلی لگاؤ ہے۔ آپ نے معاشرے کے افراد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ دیہاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا اور دیہات کی سادہ، فطری فضا میں دکھی انسانوں کی زندگی کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا۔ ان کے افسانے محبت، خلوص، حقیقت اور زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آپ مقصدی افسانہ نگار ہیں افسانوں کے کردار جاندار ہوتے ہیں۔ آپ کا طرزِ بیان بہت شگفتہ ہے۔ جگہ جگہ مزاح کے نازک اور شگفتہ ٹکڑے آسمان پر چمکتے تاروں سے معلوم ہوتے ہیں۔ اہم تصانیف میں زادِ راہ، میدانِ عمل، بازارِ حسن اور پریم تبسی ہیں۔

سوال۔۲ دایہ جس طرح بچے کا خیال رکھتی تھی، اسے اپنے الفاظ میں لکھیں؟

جواب۔ سبق: جِج اکبر مصنف: منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

دایہ کی بچے سے محبت:۔ (مصنف نے اس افسانے میں خوبصورت کرداروں کا سہارا لے کر یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دینی چاہیے) دایہ عباسی منشی صابر حسین کے گھر تین سال سے ہے۔ ان کے اکلوتے بیٹے نصیر کی پرورش کر رہی ہے۔ وہ بچے پر جان چھڑکتی تھی۔ اس کے خیال میں اس کے اور بچے (نصیر) کے درمیان ایسا مضبوط تعلق ہے۔ جیسے معمولی باتیں ختم نہیں کر سکتیں۔۔ وہ اکثر بچے کی ماں سے چھپ کر مٹھائیاں لاتی۔ دن میں دو تین بار اسے اُبٹن ملتی کہ بچہ خوب پروان چڑھے وہ اِسے دوسروں کے سامنے کوئی چیز نہ کھلاتی کہ بچے کو نظر نہ لگ جائے ہمیشہ دوسروں کے سامنے اس بات کا رونا روتی کہ بچہ بہت کم کھاتا ہے۔ بچے کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے تعویذ گنڈے لاتی رہتی۔ یہ سب اس کی مادرانہ محبت تھی۔ جس میں روحانی تسکین کے علاوہ اور کوئی غرض نہ تھی۔

سوال۔۳ شاکرہ کو بوڑھی دایہ پر کیا شک تھا؟

جواب۔ سبق: جِج اکبر مصنف: منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

شاکرہ کا دایہ عباسی پر شک:۔ دایہ عباسی منشی صابر حسین کے گھر تین سال سے کام کر رہی تھے۔ وہ ان کے اکلوتے بیٹے نصیر کی پرورش کرتی ہے۔ مگر صابر حسین کی بیوی شاکرہ کو اس پر یہ شک تھا کہ دایہ عباسی کی بچے سے محبت صرف دکھاوا ہے۔ وہ اس بہانے سے ہمیں لوٹ رہی ہے۔ جب دایہ بازار سے لوٹتی تو شاکرہ دہلیز میں چھپی رہتی کہ دیکھوں کہ آٹا چُھپا کر نہیں رکھتی، لکڑی تو نہیں چُھپا دیتی۔ اس کی لائی ہوئی چیزوں کو گھنٹوں دیکھتی، پچھتاتی اور بار بار پوچھتی، اتنا ہی کیوں؟ کیا بھاؤ ہے؟ کیا اتنا مہنگا ہو گیا؟ لیکن دایہ ان تمام باتوں کا نرمی سے جواب دیتی کیونکہ وہ یہ سب کچھ بچے کی محبت میں برداشت کرتی تھی۔

سوال۔۴ دایہ کے جانے کے بعد بچے کی جو حالت ہوئی اسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب۔ سبق: حجِ اکبر مصنف: منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

دایہ کے جانے کے بعد بچے کی حالت:۔ دایہ عباسی اور بچے کو ایک دوسرے سے دلی لگاؤ تھا۔اس لیے دایہ کے جانے کے بعد بچے کی رو رو کر حالت بُری ہوگئی تھی۔وہ انّا ،انّا کہہ کر رونے لگتا۔جب دایہ جا رہی تھی تو بچہ اس کے پیچھے دروازے تک گیا اور مسلسل روتا رہا۔ماں نے بہت پیار کیا۔مگر نہ پیار کا اثر ہوا اور نہ ڈانٹ کا۔اس لیے شاکرہ نے غصّے میں آ کر نصیر کو وہیں چھوڑ دیا اور کام میں مصروف ہوگئی۔بچے کا منہ،گال اور آنکھیں رو رو کر سرخ ہوگئیں اور وہیں زمین پر سو گیا۔شاکرہ سمجھی کہ تھوڑی دیر رو کر چپ ہو جائے گا۔لیکن جب بچے کی آنکھ کھلی تو اس نے پھر سے انّا انّا کی پکار شروع کر دی۔اس طرح دو تین دن گزر گئے۔مگر بچے کا رونا کم نہ ہوا۔اس کا کسی بھی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔وہ بہت کمزور ہو گیا۔اسی حالت میں تین ہفتے گزر گئے،بچہ کمزوری اور موسمی تبدیلی کی وجہ سے کھانسی اور بخار میں مبتلا ہو گیا۔ڈاکٹروں کے علاج کا کوئی فائدہ نہ ہو رہا تھا۔

سوال۔۵ شاکرہ کس مزاج کی عورت تھی؟

جواب۔ سبق: حجِ اکبر مصنف : منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

شاکرہ کا مزاج:۔ منشی صابر حسین کی بیوی شاکرہ شکی مزاج عورت تھی۔وہ سمجھتی کہ دایہ عباسی بچے کی پرورش کے بہانے ان کو لوٹ رہی ہے اور بچے سے پیار کا دکھاوا کرتی ہے۔جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔دایہ کے جانے کے بعد بچے کی جو حالت ہوئی،منشی صابر حسین اس کا سارا الزام شاکرہ پر لگاتے تھے۔ان کی نظر میں شاکرہ ایک کم ظرف اور بے حس عورت تھی جو پیار و محبت کے احساسات سے عاری تھی۔

سوال۔۶ ”تمھیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہو گیا۔اس حج کا نام حج اکبر ہے“اس جملے کا مطلب کیا ہے؟

جواب۔ سبق: حجِ اکبر مصنف: منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

حجِ اکبر سے مراد:۔ جو حج جمعہ کے دن ادا کیا جائے۔حج اکبر کہلاتا ہے۔یعنی بڑا حج،اس حج کا بڑا ثواب ہوتا ہے۔

جب دایہ عباسی بچے کے غم میں نڈھال ہو کر حج کی ادائیگی کے لیے جانے لگی تو اچانک دہلی اسٹیشن پر بچے کے والد صابر حسین کو بائیسکل پر آتے ہوئے دیکھا۔عباسی صرف یہ کہنے کے لیے کہ میں بھی حج ادا کرنے جا رہی ہوں،گاڑی سے نکل آئی۔صابر حسین اِسے دیکھتے ہی قریب آئے اور بچے کی حالت کے بارے میں بتایا۔دایہ یہ سن کر تڑپ اُٹھی اور حج کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔جب دایہ گھر پہنچی تو بچے نے اِسے دیکھ کر آنکھیں کھول دیں اور دایہ کے گلے سے لپٹ گیا۔دایہ نے صرف بچے کے لیے حج کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔اس موقع پر صابر حسین نے دایہ سے کہا کہ ایک معصوم مرتے ہوئے بچے کی جان بچا کر آپ کو ”حج اکبر“ کا ثواب مل گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

سوال۔۸ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر اقتباس کی وضاحت کریں۔

” عباسی کی آنکھوں میں اندھیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نامعلوم بے چارے کی کیا حالت ہوگی۔“

جواب۔ حوالہ متن:۔ سبق: حجِ اکبر مصنف: منشی پریم چند ادبی حیثیت: افسانہ نگار

(منشی پریم چند ایک مقصدی افسانہ نگار ہیں۔انہوں نے افسانے میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دینی چاہیے۔)

دایہ عباسی منشی صابر حسین کے گھر تین سال سے ان کے اکلوتے بیٹے نصیر کی پرورش کر رہی تھی۔وہ بچے سے بہت محبت کرتی تھی مگر صابر حسین کی بیوی شاکرہ کو یہ شک تھا کہ وہ بچے سے پیار کے بہانے ہمیں لوٹ رہی ہے۔اس لیے اُس نے دایہ کو نوکری سے نکال دیا۔دایہ کی جدائی میں بچہ بیمار ہو گیا۔دایہ بھی غم بھلانے کے لیے حج ادا کرنے روانہ ہوئی۔لیکن بچے کی بیماری کا سُن کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔مصنف نے مقصدی انداز میں یہ بات بیان کی ہے کہ ہمیں حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔جب دایہ عباسی انسانی ہمدردی کے تحت حج کا ارادہ ترک کر کے بچے کو بچانے کے لیے گئی تو اس موقع پر صابر حسین نے اسے کہا کہ مرتے ہوئے بچے کی جان بچا کر آپ کو حج اکبر کا ثواب مل گیا۔وضاحت طلب اقتباس اسی حوالہ سے ہے۔

وضاحت:۔ بچے کی کیفیت کا سن کر دایہ تڑپ اُٹھی۔غم کی شدت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی کہ اے اللہ! میری جان لے لے لیکن نصیر کو کوئی تکلیف نہ ہو۔تکلیف اور غم کی وجہ سے اس کا گلہ بند ہونے لگا اور ساتھ ہی اس کے گلے سے درد بھری آواز نکلی کہ میں کتنی ظالم،پتھر دل اور بے حس ہوں؟ کیونکہ میں نے ایک معصوم تڑپتے ہوئے بچے کی پرواہ نہیں کی اور بے قصور بچے سے ماں کا بدلہ لیا۔اگر میں چلی جاتی

توشاکرہ مجھے زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیتی مگر بچے کا تو یہ حال نہ ہوتا۔ اے اللہ! مجھ سے بڑا گناہ ہوگیا ہے۔میرا گناہ معاف کردے۔ بچے کی تکلیف وہ حالت کے بارے میں سوچ کر وہ تڑپ اُٹھی اور رونے لگی۔پھر گھبرا کر کہنے لگی کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ بچہ مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے۔اگر مجھے بچے کی دلی کیفیت کا اندازہ ہوتا تو میں شاکرہ کی مار بھی برداشت کرلیتی لیکن کبھی گھر چھوڑ کر نہ جاتی۔اس کے دل سے فریاد نکلی کہ پتہ نہیں اب بچہ کس حال میں ہوگا؟

قواعد:۔ (ضرب الامثال کی تعریف بمعہ امثال)

تعریف:۔ ضرب کے معنی ''بیان کرنا ''۔امثال کے معنی ''مثالیں بیان کرنا'' ۔مثال میں چند الفاظ میں پوری کہانی یا واقعے کا حوالہ ہوتا ہے۔جب کوئی جملہ کسی خاص موقع کی مناسبت سے بار بار بولا جائے۔ضرب الامثال کہلاتا ہے۔ ان جملوں کے پیچھے کوئی حکایت یا کہانی ہوتی ہے۔ضرب الامثال بھی محاورے کی طرح حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔محاورے کی طرح ہم جملہ بناتے ہوئے اس کے الفاظ تبدیل نہیں کرسکتے۔کہاوت اور ضرب المثل ایک ہی شے ہے۔

ضرب المثل	وضاحت
ایک انار سو بیمار	تھوڑی چیز زیادہ خواہش مند
حاتم کی قبر پر لات مارنا	کنجوس کا سخاوت کرنا (بطور طنز)
نام بڑا اور درشن چھوٹے	کام کم اور شور زیادہ

تنقیدی جائزہ:۔

مرزا ادیب

مرزا ادیب جذبے اور تخیل کے امتزاج سے ایک رومان انگیز اور رنگین فضا تخلیق کرنے کے ماہر ہیں۔آپ نے جذبے اور تخیل کو عقل کے تابع رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا اسلوب سنجیدہ اور متین ہوگیا ہے۔آپ نے افسانوں، ڈراموں میں رومانی فضا کے باوجود کسی سماجی اور معاشرتی مقصد کی ترجمانی کی ہے۔ آپ موضوعات کے لیے مواد اپنے اردگرد سے لیتے ہے۔آپ اپنی تحریروں میں اُن سیاسی زیادتیوں اور سماجی ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہیں۔جن سے آپ خود اور متوسط طبقہ دوچار رہتا ہے۔ان کے کردار سادہ اور متحرک ہوتے ہیں۔کردار عالم و فاضل نہیں بلکہ گلیوں میں پھرنے والے عام انسان ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایکٹ کے ڈرامے میں اپنے فن کا مظاہرہ بڑی عمدگی سے کرتے ہیں۔ان کی زبان سادہ اور شگفتہ ہے۔وہ ایسے مکالمے تحریر کرتے ہیں کہ پڑھنے والا لطف اُٹھاتا ہے۔آپ کی اہم تصانیف میں صحرانورد کے خطوط، صحرانورد کے رومان، آنسو اور تارے، لہو اور قالین، ماموں جان اور پسِ پردہ ہیں۔

سوال۔۱ ڈاکٹر زیدی دروازے پر جو دستک سنتے تھے، اس کی اصل وجہ کیا تھی ؟

جواب۔ سبق: دستک مصنف: مرزا ادیب ادبی حیثیت : ڈرامانگار

ڈاکٹر زیدی اس ڈرامے کا مرکزی کردار ہے۔ان کی عمر پینتالیس سال کے لگ بھگ تھی۔فرنچ کٹ داڑھی اور چہرے پر نقاہت نمایاں تھی۔وہ اکثر دروازے پر دستک سنتے تھے۔اس کی اصل وجہ ان کا ضمیر کی ملامت اور شرمندگی تھی۔کیونکہ اٹھارہ بیس سال پہلے وہ ایک قابل طبیب تھے۔اُس زمانے میں وہ بہت مصروف رہتے تھے۔ایک دن جب وہ تھک کر گھر واپس آئے تو ایک بوڑھا آیا۔اُس کے بیٹے کی حالت بہت خراب تھی اور اُسے طبی امداد کی ضرورت تھی۔چونکہ ڈاکٹر زیدی کے علاج سے پہلے بھی افاقہ ہوا تھا۔اس لیے اس بار بھی وہ ڈاکٹر زیدی کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔لیکن ڈاکٹر زیدی تھکاوٹ کی وجہ سے نہ جاسکے۔بوڑھے کے اصرار پر اسے گھر سے نکال دیا۔بوڑھا نہ جانے کب تک دستک دیتا رہا۔یہی دستک چھبن بن کر ڈاکٹر زیدی کے ضمیر پر نشتر لگا رہی تھی۔

سوال۔۲ دستک کے سلسلے میں ڈاکٹر زیدی اور بیگم کے درمیان جو مکالمے ہوئے ان کا خلاصہ لکھیں۔

جواب۔ سبق: دستک مصنف: مرزا ادیب ادبی حیثیت : ڈرامانگار

مکالمے کا خلاصہ:۔ ایک طوفانی رات ڈاکٹر زیدی اپنے پلنگ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔بیگم زیدی ایک کرسی پر بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ ڈاکٹر زیدی بار بار پردے کی طرف دیکھ کر بیگم سے کہتے ہیں۔کیا تم نے دروازے پر دستک سنی ؟ بیگم کہتی ہے دروازے پر کوئی نہیں ہے ہوا کا شور ہے۔ پھر بھی ڈاکٹر زیدی اصرار کرتا ہے تو بیگم جا کر دیکھتی ہے۔دروازے پر کوئی نہیں ہوتا۔بیگم کہتی ہے، اگر کوئی آئے گا تو اطلاعی گھنٹی ضرور بجائے گا۔ایک ڈاکٹر

کوحقیقت پسند ہونا چاہیے۔پھر وہ کہتی ہے کہ آپ سو جائیں۔آدھی رات ہوگئی ہے آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر برہان نے کہا تھا کہ وہ صبح خود آکر دوا پلائے گا۔وہ ایک فرض شناس ڈاکٹر ہے۔وہ آئے گا تو اُن کو بتاؤں گی کہ دروازے پر کوئی نہیں ہوتا اور آپ کو دستک سنائی دیتی ہے۔اتنے میں ڈاکٹر برہان آتے ہیں۔مکالمہ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال۔۳ اس ڈرامے سے آپ کون سا اخلاقی سبق اخذ کرتے ہیں؟

جواب۔ سبق: دستک مصنف: مرزا ادیب ادبی حیثیت : ڈراما نگار

اخلاقی سبق:۔ اس ڈرامے سے یہ اخلاقی سبق ملتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔فرائض کو پورے خلوص، ایمانداری اور دیانت داری سے ادا کرنا چاہیے۔کیونکہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اکثر اوقات ذہنی بیماری بن جاتی ہے۔مصیبت میں جب کوئی پکارے تو اپنے آرام وسکون کی پرواہ کیے بغیر اس کی مدد کرنی چاہیے۔اس سے دل کو خوشی اور سکون ملتا ہے۔ذرا سی غفلت عمر بھر کا پچھتاوا بن جاتا ہے۔خاص طور پر ڈاکٹر کا پیشہ بڑا مقدس ہوتا ہے۔اس کا کام زندگی بچانا ہے۔ایک ڈاکٹر کو اپنا آرام وسکون بالائے طاق رکھ کر مریضوں کی دیکھ بھال کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ورنہ ضمیر کی ملامت آرام وسکون ختم کر دیتی ہے۔جس طرح اس ڈرامے میں ڈاکٹر زیدی کے ساتھ ہوا، جس نے تھکاوٹ کی وجہ سے ایک مریض کی پروانہ کی اور بعد میں ساری عمر پچھتا تا رہا۔

سوال۔۴ اس ڈرامے میں سے وہ جملہ تلاش کریں۔جس میں اس کا مرکزی خیال پوشیدہ ہے۔

جواب۔ سبق: دستک مصنف: مرزا ادیب ادبی حیثیت : ڈراما نگار

اس ڈرامے کا وہ جملہ جس میں مرکزی خیال پوشیدہ ہے، وہ درج ہے ۔''مگر اب کبھی کبھی آپ کا ضمیر دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔''

یہ جملہ ڈاکٹر برہان نے ڈاکٹر زیدی کے لیے اُس وقت بولا جب ڈاکٹر زیدی نے وہ سارا واقعہ سنایا جس میں بوڑھا اپنے بیٹے کے علاج کے لیے ان کو لینے آیا اور ڈاکٹر زیدی تھکاوٹ کی وجہ سے اُس کے ساتھ نہ گئے اور اُسے گھر سے بھی نکال دیا۔وہ بوڑھا کب تک دروازے پر دستک دیتا رہا۔ڈاکٹر زیدی نے کہا کہ جب میں صبح اُٹھا تو مجھے بہت افسوس ہوا اور میں نے اُسے تلاش بھی کیا مگر وہ مجھے کہیں نہ ملا۔اس موقع پر ڈاکٹر برہان نے کہا کہ وہ بوڑھا تو چلا گیا لیکن آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرتا ہے اور آپ کی غلطی کا احساس دلاتا ہے۔

تنقیدی جائزہ:۔

فرحت اللہ بیگ

مرزا فرحت اللہ بیگ اُردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز اور شگفتہ نگار ادیب ہیں۔اُن کی وجہِ شہرت مزاحیہ مضامین ہیں۔اُن کی ظرافت اتنی سنجیدہ اور رسیلی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا اُس کے مزے کو فراموش نہیں کرسکتا۔اُن کی تحریروں میں زندہ دلی جھلکتی ہے۔اُن کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔شخصی خاکہ لکھنے میں اُن کو کمال حاصل ہے وہ خاکوں میں ڈرامائی انداز اپناتے ہیں کہ اُن کے کردار کی متحرک تصویر پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہے۔ ''نذیر احمد کی کہانی ، کچھ میری کچھ اُن کی زبانی '' میں مولوی نذیر احمد کا خاکہ اُردو ادب کا شاہکار ہے۔اُن کا بڑا کارنامہ اُن کے مضامین میں پرانی تہذیب تک رسائی ہے۔جس کا ثبوت ''نئی اور پرانی تہذیب کی ٹکر ''اور '' پھولوں والوں کی سیر'' سے بخوبی ملتا ہے۔

سوال۔۲ غلام، صاحبِ خانہ کے گھر کیسے پہنچا ؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

غلام ایک لاوارث یتیم بچہ تھا۔بقول غلام جب وہ چھوٹا تھا، تو ایک عورت اِسے گود میں لیے پھرتی تھی۔اس کے بعد وہ عورت غائب ہوگئی اور کسی نے اِسے سڑک کے کنارے ایک مکان یعنی یتیم خانے پہنچا دیا۔صاحبِ خانہ کو گھر کے کام کاج کے لیے ایک نوکر کی ضرورت تھی۔اس نے یتیم خانے کے نگران کو اس بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تحریری یقین دہانی کرائی اور اِسے گاڑی میں بیٹھا کر گھر لے آئے۔تب سے اب تک وہ اس گھر میں رہ رہا تھا۔

سوال۔۳ پہلے دن دسترخوان پر کھانا کھانے کی کیفیت اپنے الفاظ میں لکھیں ۔

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

کھانا کھانے کی کیفیت:۔ غلام ایک لاوارث اور یتیم بچہ تھا۔صاحبِ خانہ یتیم خانے سے اِسے گھر لائے کیونکہ اِسے ایک نوکر کی ضرورت تھی۔ گھر لاتے ہی پہلے دن اِسے نہلا دُھلا کر نئے کپڑے پہنا دیئے گئے ۔تھوڑی دیر میں دسترخوان بچھایا گیا تو بیگم صاحبہ نے اِسے بھی کھانا کھانے کے لیے بٹھا دیا۔ غلام کو زندگی میں آدھی روٹی بھی نصیب نہیں ہوئی تھی ، وہ بھوکا بھی تھا۔اس لیے مزے مزے کے کھانے دیکھ کر ایسا بے تاب ہو کر گرا کہ اپنی بھوک سے بھی زیادہ کھاتا رہا۔جب پیٹ تن کر نقارہ ہو گیا تو تب اُس نے کھانے سے ہاتھ اُٹھایا۔

سوال۔۴ کھانے کے بارے میں صاحبِ خانہ کی بچی کس مزاج کی تھی؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

بچی کا مزاج:۔ صاحبِ خانہ کی بچی کی نیت کھانے کے بارے میں بُھوکی تھی ۔ ہر وقت اس کا منہ چلتا رہتا تھا۔کوئی بھی خوانچے والا آتا تو وہ ضد کرنے لگتی۔اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتی جب تک اس سے کچھ نہ کچھ خرید کر نہ کھا لیتی ۔ یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔جب وہ کھانے کے لیے بیٹھتی تو سب سے آخر میں اُٹھتی ۔زیادہ کھانا کھانے کی وجہ سے اکثر اس کا پیٹ خراب رہتا۔

سوال۔۵ غلام کھانے کو گھورتا تو اس کا اسے کیا فائدہ ملتا تھا؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

کھانے کو گھورنے کا فائدہ:۔ گھورنا غلام کے لیے اکثر فائدہ مند ثابت ہوتا کیونکہ اِسے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مل جاتا۔شروع شروع میں تو غلام کی یہ حالت تھی کہ اگر وہ کسی کو کچھ کھاتے دیکھتا تو وہاں سے ہٹ جاتا۔کوئی اللہ کا بندہ یہ خیال بھی نہ کرتا تھا کہ اس لاوارث بچے کو کچھ دے دیں۔آخر کب تک غلام یہ برداشت کرتا، اس نے بھی رنگ بدلا ، جہاں کسی نے منہ چلایا تو غلام نے اِسے گھورنا شروع کر دیا۔اس طرح اُسے دوسروں سے بُرا بھلا سننا پڑتا۔مگر ایسا کرنے سے اُسے تھوڑا بہت کھانے کو مل جاتا۔اس طرح دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ تھی جو گھر میں آتی اور اس میں سے تھوڑا بہت اسے مل جاتا۔

سوال۔۶ غلام کے سر پر اُسترا پھرتا، تو گھر والے اس سے کیا سلوک کرتے ؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

گھر والوں کا سلوک:۔ جس گھر میں غلام کو نوکر کی حیثیت سے لایا گیا تھا، وہاں جمعہ کے جمعہ اِسے گنجا کیا جاتا۔اس کے سر کو باجرے کے پیڑے کی طرح سبز رنگ کا بنا دیا جاتا تھا۔مقصد یہ تھا کہ بالوں کی کھونٹیاں (جڑیں) نہ نکلیں ۔سر پر اُسترے کا پھیرنا قیامت ہوتا تھا۔کیونکہ جس کے پاس سے غلام گزرتا چانٹا کھاتا۔یہ تھپڑ اس زور سے پڑتا کہ غلام کا سر چکرا جاتا۔مارنے والے کو تو بہت مزہ آتا لیکن غلام کو بہت تکلیف ہوتی ۔اور تو اور بڑے سرکار بھی چلتے چلتے ایک دو چانٹے ضرور رسید کر دیا کرتے تھے۔

سوال۔۷ جب ماما گھر آئی تو دسترخوان پر چیزیں کیوں کم ہونے لگیں؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

چیزوں کی کمی کی وجہ:۔ (دہلی کی ٹکسالی زبان میں ’’ ماما‘‘ نوکرانی کو کہتے ہیں) صاحبِ خانہ کے گھر میں ایک ماما آئی، جو چوری کرنے میں ماہر تھی ۔جب بھی موقع ملتا گھر کی چیزیں غائب کر دیتی ۔اگر چہ اس کی حدود باورچی خانے تک تھی لیکن اس میں بھی وہ اپنا کام دکھاتی تھی ۔ ہر روز شام کو بہت زیادہ دال اور چاول اپنی پوٹلی میں باندھ کر لے جاتی تھی ۔ کیونکہ ہر روز پوٹلی کی تلاشی ممکن نہ تھی ۔اس لیے چوری کرنے میں مشکل نہ تھی ۔اسی وجہ سے دسترخوان پر چیزیں کم ہونا شروع ہو گئی۔

سوال۔۸ ماما کی بیٹی کیسے پکڑی گئی؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

پولیس کا ماما کی بیٹی کو پکڑنا:۔ (دہلی کی ٹکسالی زبان میں ’’ ماما‘‘ نوکرانی کو کہتے ہیں) صاحب خانہ کے گھر ایک ماما آئی جو ماتھ کی بڑی تیز یعنی جوری

Tehkals.com Learn & Teach

کرنے میں ماہر تھی۔شک ہونے پر صاحبِ خانہ نے پولیس کو بلایا۔ پولیس آئی اور اُس نے ماما کی پوٹلی کھلوا کر چوری کا مال برآمد کرلیا اور ماما کو چٹیا سے پکڑ کر گھسیٹا۔ اس نے رو رو کر شور مچانا شروع کر دیا۔ دراصل شور مچا کر وہ اپنی بیٹی کو خبردار کرنا چاہتی تھی۔تاکہ وہ چوری کا مال ٹھکانے لگا دے۔ بیٹی بھی ماں کی طرح ہوشیار تھی، فوراً سمجھ گئی۔ جب وہ چوری کا سامان لے کر نکلنے لگی تو اُسی وقت پولیس نے اِسے پکڑ لیا اور ماں کے ساتھ لاکر کھڑا کر دیا۔

سوال۔۹ بے سہارا بچوں سے بُرا سلوک کیا جائے تو اُن میں کیسی عادتیں پروان چڑھتی ہیں؟

جواب۔ سبق: غلام/شخصی خاکہ مصنف: مرزا فرحت اللہ بیگ ادبی حیثیت : مزاح نگار

بے سہارا بچوں سے اگر بُرا سلوک کیا جائے تو اُن میں مندرجہ ذیل مجرمانہ اور بُری عادتیں پروان چڑھتی ہیں:

۱۔ اِن بچوں کی ضروریات پوری نہ ہو تو وہ جیب کُترے اور چور بن جاتے ہیں۔ (۲) ہر وقت کی مار، ڈانٹ سے یہ بچے ڈھیٹ بن جاتے ہیں۔

۳۔ بلاوجہ مار سے یہ جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ (۴) کسی اچھے کام پر حوصلہ افزائی نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہر کام سے جی چراتے ہیں۔

۵۔ مسلسل نظرانداز کرنے سے ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ جاتا ہے۔ (۶) لوگوں کے خراب رویے سے ان کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔

۷۔ برے سلوک کی وجہ سے وہ زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ (۸) ان میں بغاوت اور انتقام کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

۹۔ وہ چغل خور بن جاتے ہیں۔

سوال۔۱۱ جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ کی تعریف/مثالیں/مبتداء اور خبر کا فرق واضح کریں۔

جواب۔ جملہ فعلیہ کی تعریف:۔ جس جملے میں مسندالیہ تو اسم ہو مگر مسند میں کوئی فعل پایا جائے فعلیہ کہلاتا ہے۔ یہ فعل اور فاعل سے مل کر بنے تو فعل لازم ہوتا ہے۔ کبھی یہ جملہ فاعل، علامتِ فاعل، مفعول اور فعل سے مل کر بنتا ہے۔

مثالیں:۔ احمد بھاگا۔ (فعل لازم)

ترکیبِ نحوی: احمد -------- فاعل -------- مسندالیہ

بھاگا -------- فعل -------- مسند (جملہ فعلیہ ہوا)

میں نے گاڑی چلائی۔

ترکیبِ نحوی: میں -------- فاعل -------- مسندالیہ

نے -------- علامتِ فاعل

گاڑی -------- مفعول -------- مسند (جملہ فعلیہ ہوا)

چلائی -------- فعل -------- مسند

جملہ اسمیہ کی تعریف: جس جملے میں مسندالیہ اور مسند دونوں اسم ہوں، آخر میں فعل ناقص آئے، تو اِسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔ جملہ اسمیہ کے فاعل کو مبتداء اور صفت کو خبر کہتے ہیں۔ جملہ اسمیہ کے تین اجزاء ہیں۔ (۱) مبتداء (۲) خبر (۳) فعل ناقص

مثالیں:۔ ثناء اچھی لڑکی ہے۔

ترکیبِ نحوی: ثناء -------- مبتداء -------- مسندالیہ

اچھی -------- صفت

لڑکی -------- موصوف خبر -------- مسند -------- جملہ اسمیہ ہوا

ہے -------- فعل ناقص

موسم خوشگوار ہے۔

ترکیبِ نحوی: موسم -------- مبتداء -------- مسندالیہ

خوشگوار -------- صفت /خبر -------- مسند -------- جملہ اسمیہ ہوا۔

ہے -------- فعل ناقص

مبتدااورخبر میں فرق :۔ جملہ اسمیہ کے فاعل کومبتدااورصفت کوخبر کہا جاتا ہے۔مبتدا سے مراد آغاز یاابتدا ہے۔یعنی جملہ اسمیہ کا پہلا حصّہ خبر کا اطلاع دینا۔ یعنی جملہ اسمیہ کا دوسرا حصّہ میں مبتدا کے متعلق کوئی بات یا اطلاع ہوتی ہے۔

مبتدااورخبر کی پہچان :۔ مبتدااورخبر کی پہچان یہ ہے کہ کون لگا کر سوال کیا جائے تو جواب میں مبتدا آئے گا۔اگر کیالگا کر سوال کیا جائے تو جواب میں خبر آئے گی۔

تنقیدی جائزہ :۔

امتیازعلی تاج

امتیازعلی تاج بہت بڑے ڈرامانگاراورڈرامے کے نقاد ہیں۔ ۲۲ سال کی عمر میں آپ نے اپنامشہورڈراما ''انارکلی'' لکھا۔جواُردوڈرامے کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔انھوں نے کئی ڈراموں،ناولوں اورافسانوں کے ترجمے بھی کیے ہیں۔''چچا چھکن ''مزاح میدان میں آپ کی بہترین تصنیف ہے۔تاج صاحب کا اندازِ تحریر سلیس اوررواں ہے۔ ہر بات بے تکلفانہ کہتے ہیں۔آپ نے اپنے ڈراموں میں مغربی ڈرامے کی خصوصیات کو بڑی خوبصورتی سے اپنایا ہے۔آپ کے اکثر ڈرامے اور کہانیاں انگریزی ادب سے ماخوذ ہیں۔مگر اس خوبصورتی سے مقامی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتے۔تاج صاحب کا اسلوب ، نثر نگاری کا شاہکار ہے۔

سوال ۔۱ ڈاکٹر صاحب نے مریض کی دیکھ بھال کے سلسلے میں کیاہدایات دیں ؟

جواب۔ سبق: آرام وسکون مصنف: امتیازعلی تاج ادبی حیثیت : ڈرامانگار

بیماری کی وجہ:۔ ڈراما آرام وسکون کے مرکزی کرداراشفاق صاحب دفتر میں زیادہ کام کرنے کی وجہ سے بیمار ہوگئے۔بیگم اشفاق نے طبیب کوگھر پربُلایا جنھوں نے بیگم صاحبہ کومریض کے سلسلے میں چند ہدایات دیں۔

طبیب کی ہدایات :۔ مریض کودوا سے زیادہ آرام وسکون کی ضرورت ہے۔کیونکہ مریض کی طبیعت کاروبار کی پریشانی اورتھکاوٹ کی وجہ سے خراب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض کے کمرے میں شُورغل نہیں ہونا چاہیے۔اس طرح ان کے اعصاب پر بُرا اثر پڑے گا۔صرف ایک دن اگرمکمل آرام وسکون ملے گا تو اُن کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔کیونکہ خاموشی اعصاب کوتقویت بخشتی ہے۔

سوال ۔۲ صاحبِ خانہ کواپنے گھر میں آرام وسکون کیوں نہ مل سکا؟

جواب۔ سبق: آرام وسکون مصنف: امتیازعلی تاج ادبی حیثیت : ڈرامانگار

ڈراما آرام وسکون کا مرکزی کرداراشفاق صاحب کی طبیعت دفتر میں تھکاوٹ اورکام کی زیادتی کی وجہ سے خراب ہوگئی تھی۔بیگم صاحبہ نے گھر پرطبیب بُلایا۔ اُس نے صاحب خانہ کومکمل آرام وسکون کی ہدایت کی۔لیکن صاحب خانہ کومندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے اپنے گھر میں آرام وسکون نہ مل سکا۔

وجوہات:۔ صاحبِ خانہ کوگھر میں آرام وسکون اس لیے نہ ملا کیونکہ:۔ اُن کے گھر میں شور بہت زیادہ تھا۔سب سے زیادہ شوراُن کی بیوی کا تھا۔ سقہ (ماشکی والا) دروازے پرزورزور سے دستک دے رہاتھا۔بچہ رورہا تھا۔اُس کی کھلونا گاڑی کا شورتھا۔نوکر کمرے میں جھاڑ ولگا رہا تھا۔ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ریٹھے کوٹنے کی آوازتھی۔فقیر کی صدائیں اور پڑوسیوں کے گھر سے موسیقی کی آوازیں آنا۔یہ وہ تمام وجوہات تھیں جن کی وجہ سے صاحبِ خانہ کوگھر میں آرام وسکون نہ مل سکا۔

سوال ۔۳ صاحبِ خانہ نے آرام کے لیے گھر کی نسبت دفتر کوکیوں ترجیح دی؟

جواب۔ سبق: آرام وسکون مصنف: امتیازعلی تاج ادبی حیثیت : ڈرامانگار

ڈراما آرام وسکون کا مرکزی کرداراشفاق صاحب کی طبیعت دفتر میں تھکاوٹ اورکام کی زیادتی کی وجہ سے خراب ہوگئی تھی۔بیگم صاحبہ نے گھر پرطبیب بُلایا۔اُس نے صاحب خانہ کومکمل آرام وسکون کی ہدایت کی۔لیکن گھر میں بہت زیادہ شور سے انہیں آرام وسکون نصیب نہ ہوا۔مجبوراً صاحبِ خانہ نے گھر کی نسبت دفتر کوآرام وسکون کے لیے بہتر سمجھا۔

Tehkals.com Learn & Teach

دفتر کو ترجیح دینے کی وجوہات: وجوہات درج ذیل ہیں۔ دفتر کو ترجیح دینے کی سب سے اہم وجہ اُن کی بیوی کا شور تھا۔ دروازے پر سقہ کا زور زور سے دستک دینا، بچے کی کھلونا گاڑی اور رونے کا شور، ملازم کا کمرے میں جھاڑو لگانا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنا، ریٹھے کوٹنے کی آواز کا ہونا، فقیر کی صدائیں اور محلے سے موسیقی کی آوازیں آنا۔ یہ وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے صاحب خانہ کو گھر میں ایک لمحہ بھی آرام وسکون نہ مل سکا۔ مجبوراً اُنہوں نے اپنی ٹوپی اور شیروانی اٹھائی اور دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ کیونکہ ان کے خیال میں انہیں گھر کی نسبت دفتر میں زیادہ آرام وسکون مل سکتا تھا۔

سوال۔۴ اس ڈرامے میں بیگم صاحبہ کی شخصیت کے کون سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں؟

جواب۔ سبق: آرام وسکون مصنف: امتیاز علی تاج ادبی حیثیت: ڈراما نگار

بیگم صاحبہ کا تعارف:۔ ڈراما آرام وسکون کے مرکزی کرداروں میں سے ایک اہم کردار بیگم اشفاق یعنی بیگم صاحبہ کا ہے۔ اس ڈرامے میں اُن کی شخصیت کے مندرجہ ذیل پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

باتونی خاتون:۔ بیگم صاحبہ زیادہ پڑھی لکھی خاتون نہ تھیں۔ وہ بلا وجہ اپنی گفتگو کو طول دیتی تھیں۔ وہ ایک باتونی خاتون تھیں۔

تیمارداری کے آداب سے ناواقف:۔ زیادہ پڑھا لکھا نہ ہونے کی وجہ سے وہ تیمارداری کے آداب سے بھی ناواقف تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ صاحبِ خانہ کو مکمل آرام وسکون ملے۔ مگر خود ہی اُن کے لیے اُلجھن پیدا کر دیتی تھیں۔

انسانی نفسیات سے ناواقف:۔ بیگم صاحبہ انسانی نفسیات سے بالکل ناواقف تھیں۔ اُن کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک بات کو بار بار دہرانے کی عادی تھیں۔ وہ اپنی گفتگو سے اُن کو ذہنی اذیت پہنچا رہی تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے شوہر کو گھر میں آرام وسکون نہ دے سکیں۔

نظم وضبط کی کمی:۔ بیگم صاحبہ گھریلو خاتون تھیں لیکن اُن میں نظم وضبط کی کمی تھی۔ اُن کا کوئی کام منظّم طریقے سے نہیں ہوتا تھا، اس لیے اُن کا شوہر پریشان ہو گیا اور گھر کی نسبت دفتر کو آرام وسکون کے لیے بہتر سمجھا۔

تنقیدی جائزہ:۔

شفیق الرحمٰن

شفیق الرحمٰن عظیم افسانہ نگار اور مزاح نگار ہیں۔ آپ کے افسانوں میں پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ ان کے رومانی اور تفریحی دونوں طرح کے افسانوں میں بے ساختگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان کا افسانہ واقعات سے زیادہ کرداروں کے طرزِ عمل سے نشوونما پاتا ہے۔ آپ کی نمایاں خصوصیت ظرافت ہے۔ طنزیہ ومزاحیہ تحریروں کی وجہ سے ادبی دنیا میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا مشاہدہ وسیع، تحریر سادہ اور دلنشین ہے۔ انسانی فطرت کی کمزوریوں پر آپ کی گہری نظر ہے۔ اسی سے آپ مزاح کا پہلو تلاش کر لیتے ہیں۔ آپ کی تحریر خندہ زیرِ لب تو بنتی ہے، قہقہہ نہیں بنتی آپ کی افسانوں مجموعے شگوفے، لہریں، مدوجزر حماقتیں، مزید حماقتیں وغیرہ

سوال۔۱ جب بادل آتے تو روفی بستروں میں کیوں چُھپتے تھے؟

جواب۔ سبق: نیلی جھیل مصنف: شفیق الرحمٰن ادبی حیثیت: افسانہ نگار

روفی اس افسانے کے مرکزی کرداروں میں سے ایک اہم کردار ہے۔ وہ بادل کی گرج سے ڈرتے تھے۔

ڈرنے کی وجہ: روفی آسمانی بجلی سے بہت ڈرتے تھے۔ جب بادل آتے تو وہ بستروں میں چھپتے پھرتے اس کی وجہ یہ تھی کہ:

ایک دفعہ بارش بہت تیز ہوئی۔ جب بارش رُک گئی تو روفی صوفے کے پیچھے سے نکل کر دبے پاؤں برآمدے تک گئے، یہ دیکھنے کے لیے کہ بادل چھٹ گئے ہیں یا نہیں۔ اتنے میں زور سے آسمانی بجلی چمکی اور ایک بڑا دھماکہ ہوا۔ روفی ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے کیونکہ ان کے بڑوں نے روفی کے ذہن میں یہ خوف بٹھا دیا تھا کہ آسمانی بجلی بہت خوفناک ہوتی ہے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو ان کا ایک دانت ہل رہا تھا۔ انہوں نے جب آئینہ دیکھا تو دانت کا کچھ حصّہ سیاہ نظر آیا۔ جو کہ عموماً بچوں کا ہوتا ہے۔ اگلے روز آس پاس مشہور ہو گیا کہ رات روفی کے دانت پر آسمانی بجلی گری ہے۔ وہ دو دن تک بستر پر پڑے رہے۔

سوال ۔۲ نیلی جھیل کا منظر اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

جواب۔ سبق: نیلی جھیل مصنف: شفیق الرحمٰن ادبی حیثیت : افسانہ نگار

نیلی جھیل ایک تصوراتی اور خیالی جھیل تھی ۔جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔لیکن بچوں کے تصور کے مطابق یہ ایک خوبصورت اور دلفریب جھیل تھی ۔

نیلی جھیل کا منظر:۔ نیلی جھیل کا منظر کچھ یوں تھا: نیلی جھیل کا پانی صاف وشفاف اوراس پر ہلکی ہلکی دُھند چھائی ہوئی تھی ۔دُور بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوا میں تیر رہے تھے۔کناروں پر پھول دار بیلیں اور پودے جُھکے ہوئے تھے،ان بیلوں اور پودوں پر بے شمار تتلیاں اُڑ رہی تھیں ۔جھیل کے کنارے دُور دُور تک چلے گئے تھے۔دوسرا کنارہ بہت دُور تھا اور کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا تھا۔جب بارش تھمی ہوتی یا دن بالکل صاف ہوتا تو ہر بار کسی نئی شکل میں دکھائی دیتا۔کبھی دُور دُور تک محل اور قلعے دکھائی دیتے ۔کبھی گھنے اور سرسبز باغ اور کبھی ریت کی چھوٹی پہاڑیاں اور نخلستان نظر آتے ۔غرض یہ جھیل بچوں کی سوچ کے مطابق بہت ہی خوبصورت جھیل تھی ۔

سوال ۔۳ سبق سے چھوٹی سفید بلّی کی ذہانت کا کوئی واقعہ لکھیں۔

جواب۔ سبق: نیلی جھیل مصنف: شفیق الرحمٰن ادبی حیثیت : افسانہ نگار

افسانہ نیلی جھیل کے کرداروں میں سے ایک اہم کردار روفی کا ہے ۔روفی کے گھر میں بہت سے پالتو جانور اور پرندے تھے ۔اِن میں ایک چھوٹی سفید بلّی بہت ذہین اور سمجھدار تھی ۔

ذہانت کا واقعہ: روفی کے گھر کے بڑے کمرے میں کچھ قالین تھے ۔وہ قالین اتنے خوبصورت تھے کہ انہیں فرش پر دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا تھا۔درمیان میں جو قالین تھا۔اُس کا کچھ حصّہ اِس طرح جل گیا تھا کہ وہاں پر نہ صوفہ رکھا جا سکتا تھا اور نہ ہی میز ،جب کبھی مہمان آتے تو یہی عقل مند بلّی اس جلے ہوئے حصّے پر اس طرح بیٹھ جاتی جیسے اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے ۔اسے لاکھ بلاتے ، بہلاتے اور پیار کرتے مگر وہ بلّی تب تک نہ ہلتی جب تک مہمان چلے نہ جاتے ۔اس طرح باہر والوں کو پتہ نہ چلتا کہ یہ خوبصورت قالین جلا ہوا ہے ۔

سوال ۔۴ مچھلی والا حساب لے کر گھر آیا تو مصنف اور روفی ،گھر کے لوگوں کے مذاق کا نشانہ کیوں بنے؟

جواب۔ سبق: نیلی جھیل مصنف: شفیق الرحمٰن ادبی حیثیت : افسانہ نگار

پسِ منظر:۔ افسانہ نیلی جھیل کے مرکزی کردار مصنف اور روفی اپنے بڑوں کی ڈانٹ اوراسکول کی پریشانیوں یعنی پڑھائی سے تنگ آکر اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے جھیل کے کنارے جایا کرتے تھے ۔وہ وہاں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کرتے ۔وہ جھیل کے پانی میں معدنیات کے کچھ اجزاء تھے ۔جن میں مچھلیاں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں ۔لہٰذا وہ بازار سے مچھلیاں خرید کر گھر لے جاتے ۔اور جب جیب خرچ ختم ہوا تو مچھلیاں بازار سے اُدھار آنے لگی ۔

مذاق کا نشانہ بننے کی وجہ:۔ ایک دن مچھلی والا حساب لے کر گھر آیا تو دونوں کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور اس طرح وہ گھر کے لوگوں کے مذاق کا نشانہ بن گئے ۔انہیں ہدایت کی گئی کہ آئندہ وہ جھیل پر جا کر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

سوال ۔۵ ماسٹر صاحب نے بچوں سے کیا کیا سوال پوچھے اور بچوں نے کیا جواب دیئے؟

جواب۔ سبق: نیلی جھیل مصنف: شفیق الرحمٰن ادبی حیثیت : افسانہ نگار

زبانی امتحان دینے کی وجہ:۔ افسانہ جھیل کے مرکزی کردار روفی کی بیماری کی وجہ سے مصنف اور ننھے میاں نے سہ ماہی امتحان نہیں دیا تھا۔ اس لیے بعد میں ماسٹر صاحب نے خاص رعایت کر کے بچوں سے زبانی سوالات پوچھے ،جن کے بچوں نے مندرجہ ذیل جوابات دیئے ۔

سوالات و جوابات:۔

ماسٹر صاحب نے روفی سے پوچھا: ''تمھیں کس نے بنایا؟ '' روفی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے:

'' جناب اتنا تو مجھے خدا نے بنایا تھا اور اس کے بعد میں بڑا ہوا ہوں ۔''

ماسٹر صاحب نے مصنف سے پوچھا: ''آسٹریلیا کہاں ہے؟'' مصنف نے جواب دیا: '' جی جغرافیے کے پچاسویں صفحہ پر''

ماسٹر صاحب نے پوچھا: ''جغرافیے میں نہیں ویسے کہاں ہے؟ '' اُس نے جواب دیا: ''آسٹریلیا کرہ ارض پر ہے''

ماسٹر صاحب نے پھر پوچھا: ''حروف اضافت کیا ہوتے ہیں؟'' جواب میں بتایا گیا: ''جناب وہ حروف جو اضافہ کرتے ہیں

Tehkals.com Learn & Teach

اوجنہیں پڑھ کر کچھ حروف یاد آجاتے ہیں۔ مثال میں بتایا گیا: ''گھڑی ساز یوں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ ساز ہو، پالتو، فالتو محسوس ہوتا ہے۔
طبلہ نواز بندہ نواز معلوم ہوتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے ننھے سے پوچھا: ''ننھے گنتی گن کر دکھاؤ۔'' ننھے نے فاتحانہ انداز میں کہا:
'' ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، غلام، بیگم، اور بادشاہ '' غرض بچوں نے ماسٹر صاحب کو اپنی سوچ کے مطابق مندرجہ بالا جوابات دیئے۔

سوال۔۶ نیلی جھیل کا مرکزی خیال/ اخلاقی سبق لکھیں۔

جواب۔ مرکزی خیال:۔ افسانہ ''نیلی جھیل'' کا مرکزی خیال یہ ہے کہ یہ دنیا تکالیف کا مقام ہے۔اس میں کئی نیلی جھیلیں ہیں۔اورزندگی میں ان جھیلوں کا تار بندھا ہوا ہے۔ایک ختم ہوتی ہے تو دوسری شروع ہو جاتی ہے۔مطلب یہ کہ انسان جھوٹے سہارے تلاش کرتا رہتا ہے چاہے وہ کامیاب ہو یا نہیں۔خود فریبی کی یہ جھیلیں کبھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔انسان زندگی کے مسائل اور تکالیف سے فرار حاصل کرنے کے لیے تصوراتی دنیا میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔زندگی کی تلخیوں سے بھاگنے کی کوشش میں وہ خود کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ایسا انسان حقیقت اور حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اس پر کسی کی نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔ایسا انسان دروغ گوئی کا سہارا لیتا ہے اور حقیقت سامنے آنے پر شرمندہ ہو جاتا ہے۔جس طرح افسانے میں بچے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔اور نیلی جھیل کے تصور میں کھوئے رہتے ہیں۔جبکہ ایسا کچھ نہ تھا۔اس افسانے میں مصنف نے یہ پیغام دیا ہے کہ! ''ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہیے''۔

تنقیدی جائزہ:۔

کرنل محمد خان

کرنل محمد خان اُردو زبان کے صاحب طرز مزاح نگار ہیں۔فوجی ملازمت کے دوران ان کے مشاہدے میں جو کچھ آیا، اسے ایک اچھے مزاح نگار کی طرح اپنے مشاہدے میں محفوظ کرتے رہے۔بعد میں اپنے ان ہی مشاہدات کو اپنے شیریں، دلکش شگفتہ اور سادہ انداز میں قلم بند کیا۔تو اُن کی پہلی کتاب ''بجنگ آمد'' بن گئی۔سادگی، روانی، حقیقت نگاری، جزئیات نگاری ان کی تحریر کی خاص خوبیاں ہیں۔ بجنگ آمد، بسلامت روِی اور بزم آرائیاں ان کی تحریر کی خاص خوبیاں ہیں۔

Tehkals.com Learn & Teach

سوال۔۲ مصنف کے دوست آغا نے سفارش کو ڈاکا ڈالنے کے مترادف کیوں کہا؟

جواب۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

آغا صاحب کا تعارف:۔ آغا صاحب کرنل محمد خان کے بے تکلف دوست تھے۔وہ ایک دیانت دار انسان تھے اور اپنے اصولوں کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ایک بار مصنف نے آغا سے کسی کی سفارش کرنے کو کہا۔لیکن آغا نہ مانے، اس بات پر مصنف ناراض ہو گئے۔ایک شام آغا مصنف کی ناراضگی دور کرنے کے لیے ملنے آگئے اور کہنے لگے کہ ایک جگہ ڈاکا ڈالنا ہے۔کیا تم میرے ساتھ دو گے؟ مصنف کی حیرانگی دیکھ کر آغا نے ان کو وہ سفارش یاد دلائی۔جو کچھ دن پہلے اُنہوں نے کی تھی۔

سفارش کو ڈاکا قرار دینے کی وجہ:۔ آغا نے سفارش کو ڈاکا ڈالنے کے مترادف اِس لیے قرار دیا کیونکہ: جس طرح ڈاکے میں کسی کا حق چھینا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سفارش کے ذریعے ایک حق دار کا حق چھین کر کسی نا اہل کو دے دیا جاتا ہے۔حقدار کا حق تلفی ہوتی ہے۔اس لیے یہ کسی ڈاکا ڈالنے سے کم نہیں ہوتا۔

سوال۔۳ سفارش طلب کی بلیک میلنگ کا کیا انداز ہوتا ہے ؟

جواب۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

مصنف کرنل محمد خان نے ایک معاشرتی برائی سفارش کا ذکر اِس سبق میں کیا ہے۔سبق میں انہوں نے سفارش طلب کی بلیک میلنگ کے مختلف طریقوں کا انداز کا بھی ذکر کیا ہے۔

سفارش طلبوں کا انداز: سفارش طلب اپنا کام نکلوانے کے لیے اچانک صاحبِ اختیار کے گھر آتے ہیں۔نہایت بے تکلفی سے سلام کر کے گلے ملنے کے لیے بازو پھیلاتے ہیں۔وہ اس انداز سے ملتے ہیں گو یا مدتوں سے اِن کی جان پہچان ہے۔ ملنے کے بعد بچوں کو بلا جھجک پیار کرتے ہیں اور اُن کو گود میں اُٹھا کر عمر کے مطابق مزاج پُرسی کرتے ہیں۔گھر کے باقی افراد کے بارے میں ایسا پوچھتے ہیں۔جیسے پرانے آشنا ہوں۔اس کے بعد وہ اپنا عرضِ

سوال ۔۴ مصنف نے سفارش طلبوں سے نپٹنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟

جواب ۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

مصنف نے اس سبق میں سفارش جیسی معاشرتی برائی کا ذکر کیا ہے۔ اور سفارش طلبوں سے نپٹنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

سفارش طلبوں سے نپٹنے کا طریقہ:۔ سفارش طلبوں سے نپٹنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے چور سمجھا جائے۔ اُس کے ساتھ چور کا سا سلوک کریں۔ جیسے ہی اُس کے منہ سے سفارش کا کلمہ نکلے تو آپ سر پر بانہیں رکھ کر ''چور ہے ''چور ہے'' چلانا شروع کر دیں۔ ہمسائے اکٹھے کر لیں۔ قریب فون ہو تو پولیس کو اطلاع کر دیں۔ آگ بجھانے والے عملے کو گاڑی سمیت بلالیں۔ سائرن بجالیں۔ اگر سفارش طلب بھاگنے کی کوشش کرے تو اُس سے گتھم گتھا ہو جائیں۔ اگر آپ اُس کو گرفت میں نہ لیں سکیں تو کم از کم اُس کی ٹوپی یا پگڑی نوچ لیں اور سارا غصہ اُس پر نکال دیں۔ اگر پاکستان میں اِس طرح کے دو تین واقعات ہو جائیں اور اخبارات میں چھپ جائیں یا ٹی۔ وی پر دکھا دیئے جائیں تو پاکستان سے بہت جلد سفارش کا خاتمہ ہو جائے گا۔

سوال ۔۵ کرشن چندر کا سفارش طلبوں سے نپٹنے کا طریقہ کیوں کر غلط ہے؟

جواب ۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

کرشن چندر کا تعارف:۔ وہ سفارش طلبوں کو ٹکا سا جواب دینے کی بجائے اُن کو جھوٹی اُمید دلاتا کہ وہ اُن کا مسئلہ حل کر دے گا۔ دراصل وہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو اُس کی اصلیت معلوم ہو کہ وہ ایک معمولی سا استاد ہے۔ جبکہ لوگ اُسے پروفیسر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو دھوکا دیتا تھا اور ڈینگیں مار کر سفارش طلبوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ وہ دروغ گوئی سے کام لیتا تھا۔ جبکہ وہ ان کا کام کرنے سے قاصر تھا۔ اس کا انجام یہ ہوتا کہ اُسے پریشانی، شرمندگی اور تلخی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات مرنے مارنے کی نوبت بھی آجاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کا طریقہ بالکل غلط تھا۔

سوال ۔۶ سبق ''سفارش طلب'' سے ہمیں کیا اخلاقی سبق ملتا ہے ؟

جواب ۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

اس افسانے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے کسی کی سفارش نہیں کرنی چاہیے۔ سفارش کرنا کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے برابر ہے۔ سفارش معاشرے کا ناسور اور لعنت ہے۔ سفارش نہ صرف اخلاقی اور قومی جرم ہے۔ بلکہ ایک معاشرتی برائی اور خرابی ہے۔ یہ معاشرے کو دیمک کی طرح اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ سفارش کی وجہ سے ایک حقدار اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ حق ایک ایسے نا اہل کو دے دیا جاتا ہے۔ جو اُس عہدے کا مستحق نہیں ہوتا۔ نا اہل لوگوں کی وجہ سے ملک کے اداروں کا بیڑہ غرق ہو جاتا ہے۔ ملک ترقی نہیں کرتا، انصاف ختم ہو جاتا ہے۔ عزتِ نفس ختم ہو جاتی ہے اور معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اِس سماجی، اخلاقی اور قومی بُرائی کا سدّ باب بہت ضروری ہے۔ تاکہ قابل لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ مصنف کے مطابق سفارش طلبوں کے ساتھ چوروں جیسا سلوک کیا جائے تاکہ اُن کی حوصلہ شکنی ہو اور ہمارا ملک ترقی کر سکے۔

سوال ۔۷ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر مندرجہ ذیل اقتباسات کی وضاحت کریں۔

جواب ۔ ''سفارش طلب سے نپٹنے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قلع قمع ہو جائے گا''

حوالہ متن:۔ سبق: سفارش مصنف: کرنل محمد خان ادبی حیثیت : افسانہ نگار

سیاق وسباق:۔ مصنف نے یہ سبق سفارش طلبوں کے بارے میں لکھا ہے۔ جو مختلف طریقوں سے اپنا ناجائز کام کروانا چاہتے ہیں۔ مصنف کے دوست آغا نے سفارش کو ڈاکا ڈالنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیونکہ سفارش میں کسی کا حق چھین کر نا اہل کو دیا جاتا ہے۔ سفارش طلب بڑی بے تکلفی سے صاحب اختیار کے گھر آتے ہیں اور اپنا مدعا بیان کرتے ہیں ۔ افسانے میں مصنف نے اپنے دوست کرشن چندر کا ذکر کیا ہے۔ جو سفارش طلبوں کو صاف جواب دینے کی بجائے اُن کو جھوٹی اُمید دلاتا تھا۔ مصنف نے سفارش طلبوں سے جان چھڑانے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ وضاحت طلب اقتباس اِسی حوالے سے ہے۔

وضاحت:۔ مصنف نے سفارش طلبوں کو سبق سکھانے اور ان سے پیچھا چھڑانے کا بہت مفید مشورہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سفارش کرنے والوں کو چور سمجھا جائے۔ ان کے ساتھ بھی چوروں والا سلوک کیا جائے کیونکہ سفارش طلب بھی کسی حقدار کا حق چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے ہی سفارش طلب کے منہ سے سفارش کا لفظ نکلے تو آپ سر پر ہاتھ رکھ کر شور مچانا شروع کر دیں کہ ''چور آیا'' ''چور آیا '' یہ شور مچانے کا مقصد یہ ہے کہ پڑوسی مدد کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ اگر آپ کے قریب فون کی سہولت موجود ہے تو فوراً پولیس کو خبر کر دیں۔ آگ بجھانے والے عملے کو گاڑی سمیت بلائیں ۔ خطرے کی گھنٹی بجائیں۔ تاکہ

Tehkals.com
Learn & Teach

لوگوں کو معلوم ہوجائے اور وہ مدد کے لیے آئیں۔ اگر یہ حالت دیکھ کر سفارش طلب بھاگنے لگے تو آپ اِسے پکڑنے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے ہاتھا پائی کی نوبت آئے تو وہ بھی کریں۔ اگر وہ آپ کی پہنچ سے دُور ہوجائے تو اُس کی پگڑی یا ٹوپی پکڑنے کی کوشش کریں اور اپنا غصہ اس پر نکال دیں۔ اگر اس طرح دو تین واقعات سفارش طلبوں کے ساتھ ہوجائیں اور یہ واقعات اخبارات یا ٹی۔ وی پر آجائیں تو لوگ عبرت حاصل کریں گے۔ اس طرح پاکستان سے سفارش طلبوں کا جلد خاتمہ ہوگا۔

شاعرانہ خصوصیات/تنقیدی جائزہ:۔

مونا الطاف حسین حالؔی

مولانا الطاف حسین حالؔی نے غزل، نظم، مرثیہ، قطعہ اور رباعی تمام پر طبع آزمائی کی۔ اُن کی قومی نظموں میں سادگی اور فطری انداز پایا جاتا ہے۔ آپ تشبیہات اور استعارات سے کام نہیں لیتے۔ ان کی نظمیں دلکشی۔ موسیقیت اور سوز و گداز کا بہترین نمونہ ہیں۔ ''مسدس حالؔی'' اُردو کی پہلی نظم ہے۔ جس میں مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی کی یاد دلا کر انہیں خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی گئی۔ حالؔی نے اپنی شاعری میں عشقیہ مضامین کی جگہ اخلاقی، قومی، اصلاح اور تصوف کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

شعرا:۔ قبضہ ہو دلوں پر ------------------------ حمد سرا تیرا

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر الطاف حسین حالؔی اللہ تعالیٰ کی عظمت، شان اور بزرگی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! تُو بڑی عظمت اور دانائی والا ہے۔ تُو نے یہ کائنات حضرت محمدؐ کے لیے تخلیق فرمائی ہے۔ اور انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ اے اللہ! تُو ہی سب کے دلوں پر قابض ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت ہی یہی ہے کہ ایک فاسق/گناہ گار اور نافرمان بندہ بھی تیری ہی حمد و ثناء بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ سب انسان کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اے اللہ ! دنیا کے تمام لوگ ظاہری نشانی نہ ہوتے ہوئے بھی تیری ذات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔

شعر۲:۔ گو سب سے مقدّم ہے ------------------------ حق کیوں کر ادا تیرا

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر الطاف حسین حالؔی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ تعالیٰ ! تُو ہی ہمارا خالق و مالک اور رازق و مددگار ہے۔ ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اور تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ اے اللہ ! تیری نعمتیں اور رحمتیں بے حساب ہیں اور ہر مخلوق کے لیے مخصوص ہیں۔ تیرا نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم تیری عبادت کریں۔ تیرا حق ادا کریں اور تیرا حکم مانتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں۔ جس کی تعلیم نبی کریمؐ نے دی ہے۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم گناہ گار اور نافرمان ہیں۔ ہم تیری بندگی کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ ہم غلطیاں اور کوتاہیاں کر کے بھی تیری رحمت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ہم اپنے فرائض سے غافل ہیں۔ پھر بھی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اے اللہ !تُو ہمیں معاف فرما دے گا۔ اے اللہ! تیری عنایات اور رحمتیں اتنی زیادہ ہیں۔ کہ ہم اس کا شکر بجالانے سے قاصر ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اے اللہ !تُو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم جس مقصد کے لیے اِس دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ ہم وہ مقصد پورا کر سکیں۔

شعر۳:۔ محرم بھی ہے ایسا ------------------------ جس پر یاں بھید کھلا تیرا

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کو معرفتِ الٰہی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و حقیقت کو جانتے ہیں کہ کوئی ایسی ذات ہے۔ جس نے اپنی حکمت سے یہ کائنات تخلیق کی ہے۔ لیکن وہ ذات کہاں اور کیسی ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا اس بات کو جاننے والا بھی نا واقف ہے۔ یعنی کوئی بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محدود

صلاحتیں عطا کیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات مع قدرت لامحدود ہے۔اس لیے انسانی عقل اِن رازوں سے پردہ نہیں اُٹھا سکتی۔اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا۔اس شرف کا سبب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق جوڑ لے کہ کائنات کے چُھپے تمام رازوں کو جان لے۔مگر انسان یہ دعوٰی نہیں کرسکتا کہ اُس نے رازوں کو پالیا۔کیونکہ ایک راز سے پردہ اُٹھتا ہے تو اُس کی تہہ میں ہزاروں راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔اس سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔کہ انسان کتنا بےبس اور مجبور ہے۔کامل ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

شعر۴:۔ چھپتا نہیں نظروں میں --------------------رہتا ہے گدا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! دنیا میں بہت سے حکمران حکومت کر رہے ہیں۔اور بہترین بادشاہت کی مثال بھی قائم کرتے ہیں۔وہ اپنے وزیروں،امراء اور درباریوں سے خوش ہوکر انہیں انعام واکرام سے نوازتے ہیں اور کبھی کبھی تو انہیں ایسا لباس عطا کرتے ہیں۔جو صرف بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔اس کے بدلے ہر وقت ان کی زبان پر تعریفی کلمات ہوتے ہیں۔لیکن شاعر کہہ رہے ہیں کہ میں فطری خواہش نہیں رکھتا اور نہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں۔جو دنیاوی انعامات سے خوش ہوجاتے ہیں۔میں تو فقیر اور درویش صفت لوگوں میں سے ہوں۔جو اپنے عشقِ الٰہی میں اس قدر مست ہوتے ہیں کہ اپنے حال میں خوش رہتے ہیں۔اُن کی نظر میں دنیاوی مال ودولت اور شان وشوکت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔حضورؐ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔وہ اکثر اپنے کندھے مبارک پر سیاہ چادر اوڑھا کرتے تھے۔(غلافِ کعبہ بھی سیاہ ہے)۔جبکہ اس وقت مسجد نبوی میں مالِ غنیمت کے انبار پڑے ہوتے تھے۔اور آپؐ اپنے دستِ مبارک سے خود تقسیم بھی کرتے تھے۔

شعر۵:۔ عظمت تری مانے بن --------------------دم بھرتے سدا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ ! تیری بزرگی اور بڑائی میں کوئی شک نہیں ہے۔تُو صرف نیک لوگوں کا خالق ومالک نہیں بلکہ جو نافرمان اور سرکش ہیں۔وہ بھی تیری بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں۔تُو مشکل کشا ذات ہے۔اس لیے نافرماں بھی تیرے آگے سر جھکاتے ہیں۔کیونکہ تُو ہی گناہوں کو معاف کرسکتا ہے۔تیری بادشاہت ازل سے ابد تک ہے اور رہے گی۔نمرود اور فرعون جیسے خدا کہلوانے والے حکمران کے بارے میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ وہ چھپ چھپ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کرتے۔اس لیے ہر نیک وبد انسان تیری عظمت سے بسا اوقات مایوس ہوکر گلے شکوے کرنے لگتے ہیں۔وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔کہ تیرا کرم سب کے لیے ہے اور تو اپنی رحمت سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا اور تیری ذات ہی انسان کی مشکلات دور کو سکتی ہے۔

شعر۶:۔ تُو ہی نظر آتا ہے -------------------- گلا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! تیری ذات کا عکس کائنات کے ذرے ذرے میں نظر آتا ہے۔ہم تجھے دیکھ نہیں سکتے۔لیکن تیری قدرت کے جلوے ہر شے میں نظر آتے ہیں۔جو انسان خوش اور مطمئن ہیں اور جو تکالیف کا شکار ہیں۔سب تیرا نام لیتے ہیں۔کیونکہ انسان نازک اور کمزور مخلوق ہے۔اس لیے تھوڑی سی بھی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا۔ذرا سی تکلیف بھی آجائے تو اُس کے لبوں پر تیرا ہی نام آتا ہے۔کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دکھ اور تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہے۔انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے۔وہ مصیبت کے وقت ہی پکارتے ہیں کہ اے اللہ ! تُو نے ہمیں اس مشکل میں ڈالا ہے۔تُو ہی ہم رحم فرما کیونکہ ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں اور تُو ہی ہمارا سہارا ہے۔پس ان لوگوں کے سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد کریں۔

شعر۷:۔ نشے میں وہ احساں کے -------------------- نعمت پہ ادا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالؔی

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔جن کا شکر کا ہم

Tehkals.com Learn & Teach

ادا نہیں کر سکتے۔لیکن یہ دنیا عجیب جگہ ہے۔ایک طرف نیک اور شکر گزار بندے ہیں تو دوسری طرف ناشکروں اور باغیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ایسے لوگوں پر تُو نے رحمتوں اور نعمتوں کی بارش برسا دی۔لیکن وہ بغاوت پر اُتر آئے اور دنیا کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا۔وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ہم پر جو احسانات ہیں۔تو ان پر ہمارا حق ہے۔وہ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔غرور اور تکبر میں وہ اپنی زبان پر شکر کے الفاظ نہیں لاتے۔وہ اپنی طاقت کے نشے میں مست ہو کر کفر کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیا ہے اور جب اللہ دے سکتا ہے تو چھین بھی سکتا ہے۔اس لیے ہمیں اس فانی دنیا کی رنگینیوں میں نہیں کھونا چاہیے۔

شعر۸:۔ طاعت میں ادب تیرا --------------------- اقرار سوا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؔ

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! تُو بڑا رحیم و کریم ہے۔یہ بات درست ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کا ادب و احترام کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ تیری ذات کے خلاف بغاوت کرنا، نافرمانی کرنا اور نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا۔گناہ گاروں کا شیوہ ہے۔یہ ایسے عمال ہیں جو انسان کو زیب نہیں دیتے کیونکہ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے،لیکن سوال یہ ہے کہ یہ گناہ گار گناہ کرتے کیوں ہیں؟ وہ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تُو رحمٰن و رحیم ہے اور انسانوں پر ستر (۷۰) ماؤں سے زیادہ مہربان ہے۔اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔اس لحاظ سے گناہ گار بھی تیری ذات سے بے خبر اور منکر نہیں ہیں۔یہ شعر حمد کے خوبصورت اشعار میں سے ایک ہے۔کیونکہ اس شعر میں شاعر نے ایک نہایت عمدہ نکتہ بیان کیا ہے۔

شعر۹:۔ آفاق میں پھیلے گی --------------------- پیغام صبا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؔ

تشریح:۔ شاعر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرا ذکر، تیرے دین کا ذکر اور تیرے محبوب (حضرت محمدؐ) کا ذکر خوشبو کی طرح پوری دنیا میں پھیلے گا۔کیونکہ تیری ذات کی مثال خوشبو کی طرح رک نہیں سکتی اور نہ ردّ کی جا سکتی ہے ۔تیری عظمت اور دینِ اسلام کی تعلیمات دُور دُور تک پھیل کر رہیں گی۔جس طرح چمن میں پھولوں کی خوشبو کو ہوا دُور دُور تک پھیلاتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام اور ذکر بھی دنیا کے کونے کونے تک پہنچ کر رہے گا۔کائنات میں ہر چیز اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔اگر ہم چمن کی مثال لیں تو مالی نے صرف بیج بویا۔اللہ کی قدرت نے پودا بنایا اور خوشبو بکھیرنے لگا۔ان پھولوں کی طرح اللہ اور اس کے محبوب (حضرت محمدؐ) کا ذکر بھی دنیا میں موجود ہر شخص کی زبان پر ہوگا۔

شعر۱۰:۔ ہر بول ترا دل --------------------- سب سے جدا تیرا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: حمد شاعر کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؔ

تشریح:۔ نظم کے آخری شعر میں شاعر ناصحانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، عقیدت اور عظمت ہر انسان کے دل میں موجود ہوتی ہے۔لیکن اے حالیؔ! اللہ کی محبت میں لکھے گئے یہ اشعار لوگوں کے دلوں کو چُھو کر گزرتے ہیں اور اثر کر جاتے ہیں۔انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ کی محبت ہمارے دلوں کو روشن کر رہی ہے۔شاعر اپنے انداز کی تعریف کر رہے ہیں کہ اے حالیؔ! تیرے بیان کرنے کا انداز دوسرے شاعروں سے مختلف ہے۔جو بھی میرے اس کلام کو پڑھتا ہے۔وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔میری شاعری پڑھنے اور سننے والے کے دل پر ضرور اثر کرتی ہے۔(حالیؔ کی یہ بات درست بھی ہے، کیونکہ وہ واقعی دوسرے شعراء سے مختلف ہیں اور ان کی شاعری میں اثر پایا جاتا ہے۔کیونکہ وہ مصلحِ قوم ہیں۔)

مشقی سوالات وجوابات

سوال۔۴ تشبیہ کی مثالیں:۔

۱ انور شیر کی طرح بہادر ہے۔

۲ علی کا دل آئینے کی طرح صاف ہے۔

۳ احمد کا دل موم جیسا نرم ہے۔

اصنافِ سخن کی مثالیں:۔

۱	حمد:۔	قبضہ ہو دلوں پر کیا اس سے سوا تیرا	اِک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
۲	نعت:۔	محمدؐ کا روضہ قریب آ رہا ہے	بلندی پہ اپنا نصیب آ رہا ہے
۳	منقبت:۔	ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے	نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
۴	مناجات۔	میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو	نیک جو راہ ہو اُس راہ پہ چلانا مجھ کو
۵	قصیدہ :۔	واہ واہ کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا	مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موج ہوا
۶	مرثیہ :۔	عباس آبرو میں تیری فرق آئے گا	پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا
۷	مثنوی:۔	پرستاں سے بھی نکالا نہ ہو	کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو

تنقیدی جائزہ:۔

امیؔر مینائی

امیر مینائی ''قادرالکلام شاعر تھے۔لکھنوی انداز میں لکھتے رہے،داغ دہلوی کی صحبت میں رہ کران کی زبان نکھر گئی۔آپ نے اُردو میں نعت گوئی کو شاعرانہ محاسن سے روشناس کرایا۔سلاست اور روانی ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ان کا کلام درد و اثر سے خالی نہیں ہے۔رعایتِ لفظی کا استعمال ان کے کلام میں خوب رنگ دکھاتا ہے۔وہ تصوف کی طرف مائل تھے۔آپ اپنے دُور کے واحد شاعر ہیں۔جس کا نعتیہ دیوان مرتب ہوا۔فکر کی بلندی،زبان کی صفائی اور سلاست اُن کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

تشریحات

شعر۱:۔ سوئے طیبہ بن کے -------------------- دن اپنے پھر چلے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیؔر مینائی

تشریح:۔ نظم نے مطلع میں شاعر امیر مینائی حضرت محمدؐ سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے۔کہ روضۂ رسولؐ کی زیارت کریں۔اور پھر جس مسلمان کو یہ نعمت مل جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے۔(مدینہ منورہ وہ مقدس شہر ہے جہاں رسولؐ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال گزارے ہیں۔) شاعر کو ایسی صورتِ حال کا سامنا ہے۔وہ عرصہ سے اس انتظار میں تھا کہ اس کو روضۂ رسولؐ کی زیارت نصیب ہو۔شاعر کہتے ہیں کہ میں عاشق رسولؐ ہوں اور ان کے دربار میں حاضری دینا چاہتا ہوں۔کیونکہ یہ ایسی جگہ ہے۔جہاں میر دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور صرف ایک دفعہ جا کر میری یہ تڑپ ختم نہیں ہوگی۔میرا دل وہاں بار بار جانا چاہتا ہے۔اپنی قسمت کے حوالے سے شاعر کہتے ہیں کہ اے کاش! مجھے روضۂ مبارک کا دیدار نصیب ہو جائے اور اللہ میری قسمت بدل دے۔ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرے لیے فخر کا مقام ہے۔اس پر جتنا بھی اپنے رب کا شکر ادا کروں کم ہے۔کیونکہ یہاں آ کر قسمت بدل جاتی ہے اور گناہ دھل جاتے ہیں۔دنیا و آخرت کی کامیابی مل جاتی ہے۔

شعر۲:۔ یارسولؐ اللہ ! -------------------- ہم گھر چلے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیؔر مینائی

تشریح:۔ شاعر حضورؐ سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محمدؐ کی ذاتِ اقدس سراجًا منیر ہے اور دنیا و آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ بھی ہے۔آپؐ نے بنی نوع انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ہر مشکل گھڑی میں صرف رسولؐ کی ذاتِ اقدس کی پیروی ہی ہمیں پریشانیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ہماری دعا اور التجا اس وقت تک قبولیت کا درجہ نہیں پا سکتی،جب تک آپؐ پر کثرت سے درود شریف نہ بھیجیں۔شاعر کہہ رہے ہیں کہ اے رسولؐ !ایک دفعہ پھر ہم مصیبتوں کا شکار ہوئے ہیں۔ہم مسلمان مصائب میں گھرے ہوئے ہیں اور ہمیں آپؐ کی ذات سے ہم ہی روشنی مل سکتی ہے۔یہ سب آپؐ کے طفیل سے ممکن ہو سکتا ہے۔اگر ہم آپؐ کی نورانی تعلیمات اور ہدایات کو سمجھ لیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔تاکہ دنیا کے رنج والم سے نجات پا سکیں۔

شعر۳:۔ نخلِ دل میں تھے ---------------------- ہوا سے گر چلے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیر مینائی

تشریح:۔ شاعر نے شعر میں ایک خوبصورت تشبیہہ دی ہے، کہتے ہیں کہ پہلے میرے دل کا شجر گناہوں کے پتوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں سراپا معصیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن عشق رسول ؐ کی وجہ سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی اور سنتِ رسول ؐ کی پیروی سے وہ سارے گناہوں کے پتے گر پڑے۔ اب میرا دل سرسبز وشاداب باغ کی مانند ہو گیا ہے۔ جس کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ شاعر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصّہ گناہوں میں گزارا لیکن اب میری زندگی اور میرے دل میں حضرت محمدؐ کی محبت رچ بس گئی ہے اور میری زندگی میں جو انقلاب آیا ہے۔ اس کا رخ نیکیوں کی طرف ہو گیا ہے۔ میں نے فاسد خیالات سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ اللہ اور رسول ؐ سے محبت کا عملی ثبوت یہی ہے کہ ہم رسول ؐ کی تعلیمات کی پیروی کریں۔ کیونکہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا وسیلہ یہی ہے۔

شعر۴:۔ کیا میسر ان کو ---------------------- آپ کی کافر چلے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیر مینائی

تشریح:۔ شاعر حضرؐ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ ؐ کی ذات سر چشمۂ ہدایت ہے۔ آپ ؐ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن کفار نے آپ ؐ کی تعلیمات سے انکار کر دیا۔ ان کو سیدھا راستہ نصیب نہ ہوا اور وہ گمراہی کے اندھیروں میں رہے۔ ان کافروں کو کیسے سیدھا راستہ نصیب ہو سکتا تھا۔ یہ کافر اس دنیا میں بھی ناکام رہے اور آخرت میں بھی رہیں گے ۔ اس کے برعکس جن نیک ہستیوں نے آپ ؐ کے پیغام پر لبیک کہا اور آپ ؐ کے نقشِ قدم پر چلے وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوئے۔ کفار کو اُن کے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وہ باوجود سننے اور دیکھنے کے گونگے، بہرے اور اندھے بن گئے ہیں۔ ان کے دل میں نیکی کا مادہ نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں سیدھا راستہ نہیں دکھایا۔ راہ راست سے مراد دین اسلام ہے۔ یہی وہ راستہ ہے۔ جس پر چل کر انسان دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔

شعر۵:۔ پھر رسائی کی رسا ---------------------- ہم زائر چلے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیر مینائی

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ روضہ رسول پاک ؐ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور جس مسلمان کو ایک دفعہ یہ موقع مل جائے وہ بار بار اس کی تمنا کرتا ہے۔ شاعر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے میری قسمت میں پھر مدینہ جانے کا شرف لکھ دیا ہے۔ مجھے اپنی نصیبی پر یقین نہیں آتا کہ میں پھر اپنے محبوب کے دربار میں حاضری دوں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے۔ اس نے ہماری قسمت کو مبارک اور نفع بخش بنایا۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں مدینہ منورہ/ روضۂ مبارک کی زیارت۔

شعر۶:۔ شوقِ دل نے کی ---------------------- اب پھر چلے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیر مینائی

تشریح:۔ شاعر حضور ؐ سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں عاشقِ رسول ؐ ہوں اور میری محبت کی شدت کی وجہ سے مجھے بار بار روضہ رسول ؐ کی زیارت نصیب ہو رہی ہے۔ شاعر یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی بھی مقصد کے حصول اور منزل تک پہنچنے کے لیے جذبہ شوق اور لگن کا ہونا ضروری ہے اگر جذبہ سچا ہو اور دل میں جوش و ولولہ ہو تو انسان اپنی منزل کو پا لیتا ہے اور میں رسول ؐ کا سچا عاشق ہوں جس طرح ایک عاشق کو محبوب کے دیدار کے بغیر چین نہیں آتا اور نہ ہی ایک مرتبہ کے دیدار سے تشنگی مٹتی ہے۔ اسی طرح مجھے بھی آپ ؐ کے دیدار یعنی روضۂ رسول ؐ کی زیارت کے بغیر چین مُیسر نہیں ہوتا۔ میری خواہش میں تڑپ اور خلوص موجود ہے۔ اس لیے اللہ میری راہنمائی کرتے ہوئے مجھے کسی نہ کسی طرح روضۂ رسول ؐ تک پہنچا دیتا ہے اور میں زیارتِ رسول ؐ سے فیض یاب ہو جاتا ہوں۔

شعر ۷:۔ راہِ حضرت میں مَیں ---------------------- کوئی طائر چلے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: نعت مبارک شاعر کا نام: امیؔر مینائی

تشریح:۔ نعت کے مقطع میں شاعر اپنے آپ کو مخاطب کر کے رسولؐ سے اپنی محبت کی انتہا بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں روضۂ رسولؐ کی زیارت کے شوق اور خوشی میں اتنی تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوں۔ جس طرح کوئی پرندہ اپنے آشیانے کی طرف پہنچنے کے لیے بہت تیزی اور خوشی سے اُڑتا ہے۔ میں بھی آپؐ کی محبت کے جذبے سے اتنا سرشار ہوں کہ مجھے شدت سے اس وقت کا انتظار ہے کہ کب وہ لمحہ آئے گا۔ جب میرے قدم اس پاک سرزمین کو چھولیں گے۔ اسی جذبے نے میرے اندر اتنی تیزی پیدا کر دی کہ کوئی پرندہ بھی اتنی تیز اور اُونچی اُڑان میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی میری محبت کی انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔ شاعر اپنے آپ کو عشق رسولؐ کی انتہائی بلندی پر محسوس کرتا ہوں۔ جہاں کسی اور کی رسائی مشکل ہے۔

مشقی سوالات وجوابات

سوال۔۱ اِس نعت کے پہلے شعر میں طیبہ سے کون سا شہر مراد ہے؟

جواب۔ اس نعت کے پہلے شعر میں طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ مدینہ کا لفظی معنی شہر ہے۔ اس مقدس شہر کا پرانا نام یثرب تھا۔ نبی کریمؐ کی آمد پر اس کا نام مدینہ منورہ رکھا گیا۔ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبویؐ اور روضۂ رسول ہے۔

سوال۔۳ مندرجہ ذیل مرکبات کی تشریح کریں:۔

جواب۔ لشکرِ اندوہ:۔ لفظی معنی غموں کا لشکر، یہاں مراد گناہوں سے بھری زندگی ہے جو ہم گزار رہے ہیں۔

نخلِ دل:۔ لفظی معنی دل کا درخت، جبکہ دل کا درخت نہیں ہوتا۔ یہاں مراد دل کے اندر موجود گناہ اور برے خیالات ہیں۔

حُبِّ حضرت:۔ حضورؐ سے محبت، یعنی عشقِ رسولؐ جو ایمان کا حصّہ ہے اور ایمان کے مکمل ہونے کی نشانی ہے۔

راہِ راست:۔ لفظی معنی سیدھا راستہ، لیکن یہاں یہ مرکب اسلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام کے راستے پر چل کر انسان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

سوال۔۴ ''دن پھر جانا'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب۔ ''دن پھر جانا'' کے لفظی معنی اچھے دن آنا یا قسمت بدلنا۔ اس سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ اس کی قسمت جاگ اُٹھی ہے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اور اب وہ زیارت کرنے مدینہ منورہ جا رہا ہے۔

سوال۔۶ استعارہ کی تین مثالیں لکھیں:۔

جواب استعارہ کی مثالیں:۔ (۱) چاند! آج تُو سکول نہیں گیا۔ (یہاں بیٹے کے لیے لفظ چاند استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے)

(۲) واہ حاتم طائی! تم نے تو آج کمال کر دیا۔ (یہاں دوست کی سخاوت کی وجہ سے حاتم طائی لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو استعارہ ہے۔)

(۳) میر گڑیا! آج تو کھیلنے بھی نہیں گئی۔ (یہاں بیٹی کے لیے لفظ گڑیا کا استعمال کیا گیا ہے جو استعارہ ہے۔)

تنقیدی جائزہ:۔

نظیؔر اکبرآبادی

نظیؔر اکبرآبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور کے نقاد اُنھیں پہلا ترقی پسند شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کی مثال اُردو شاعری میں نہیں ملتی۔ ان کے مشاہدے میں گہرائی اور تجربے میں وسعت ہے۔ مقامی زندگی کی عکاسی کرنے میں بے مثال ہے۔ نظم کے شاعر ہیں مگر غزلیں بھی لکھی ہیں۔ منظر نگاری ان کے کلام کی نمایاں خوبی ہے۔ نظیؔر کا کلام پڑھنے سے اُن کے زمانے کی سچی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ آپ نے عام موضوعات پر بھی لکھا۔ جن میں پتنگ بازی،

Tehkals.com Learn & Teach

کبوتر بازی، جوانی، بندر والے کا تماشا وغیرہ شامل ہے۔ان کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع اور ان کی زبان عوامی ہے۔''کلیاتِ نظیر ''ان کے کلام کی یادگار ہے۔

تشریحات

بند ۱:۔ ہیں اِس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں -------------------- کیا کیا مچی ہیں یارو ! برسات کی بہاریں

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: برسات کی بہاریں شاعر کا نام: نظیرؔ اکبر آبادی

تشریح:۔ نظم کے پہلے بند میں شاعر نے موسم بہار کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا کہ برسات کی رونقیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ بارشیں ہونے سے موسم اچھا ہو گیا ہے۔ جب برسات کی پہلی بارش ہوتی ہے تو انسان، حیوان اور پودوں میں جان آ جاتی ہے۔ زمین سے پودے اور پھول اُگ آتے ہیں۔ ہر طرف سبزہ لہلہا رہا ہوتا ہے۔جھلسے ہوئے پودوں میں جان آ جاتی ہے۔ آسمان پر گہرے بادل چھا گئے ہیں اور ہلکی ہلکی بوندوں کی پھوار میں ایک ترنم ہے کہ جب قطرے گرتے ہیں تو دل پر اثر کرتے ہیں۔ کالی گھٹاؤں کو دیکھ کر دل بھی جھوم اُٹھتا ہے۔اور حسین مناظر دھوم اور مستی میں ہیں۔ ہر طرف برسات کی خوشی ہے۔ خوشگوار ماحول بنا ہوا ہے۔اس لیے شاعر کہتا ہے کہ اس بہار کے موسم میں کیا کیا بہاریں اور رنگینی موجود ہے۔

بند ۲:۔ جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں -------------------- کیا کیا مچی ہیں یارو ! برسات کی بہاریں

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: برسات کی بہاریں شاعر کا نام: نظیرؔ اکبر آبادی

تشریح:۔ شاعر برسات کی آمد کے اثرات بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس موسم کے آتے ہی بارشوں اور خوشگوار ہواؤں نے اپنی اداؤں سے ہر طرف ہریالی بکھیر دی ہے۔ سب جنگلوں نے اپنے بدنوں پر سبزہ سجا لیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمام جنگل ہرے بھرے ہو گئے ہیں۔ تمام جھاڑیوں اور پودوں نے اپنے آپ کو پھولوں سے سجا لیا ہے یعنی سب پودے اور جھاڑیاں پھولوں سے لد گئی ہیں۔نئی کلیاں چٹکنے لگی ہیں۔ آسمان پر گرج رہے ہیں۔بجلی چمک رہی ہے اور گہرے بادلوں نے آسمان کو چھو لیا ہے۔ بجلی کا کڑکنا یوں لگتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت نے گرمی کے خلاف طبل جنگ بجا دیا ہے۔ ہر طرف برسات کی خوشیوں اور شادمانیوں کے چرچے ہیں۔اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔

بند ۳:۔ کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت -------------------- کیا کیا مچی ہیں یارو ! برسات کی بہاریں

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: برسات کی بہاریں شاعر کا نام: نظیرؔ اکبر آبادی

تشریح:۔ شاعر نظیرؔ اکبر آبادی اس بند میں برسات کی آمد پر اللہ کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ ! یہ سب تیری قدرت کی نشانیاں ہیں کہ جب لوگ گرمی سے تنگ اور پریشان ہوئے تو، تُو نے برسات کے موسم میں گرمی کی حرارت کو کم کر دیا۔ یا اللہ ! تیری قدرت اور طاقت کا سامان ہر طرف بکھرا پڑا ہے۔موسم ساعت بہ ساعت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ آسمان پر کبھی کالے بادل چھا جاتے ہیں۔کبھی بادلوں کا رنگ سفید ہو جاتا ہے اور کبھی سورج بادلوں کی اُوٹ سے باہر نکل آتا ہے۔موسم کا یہ انوکھا پن دیکھ کر لوگ بہت مسرور ہیں۔ ہر طرف نیا سماں اور نئے رنگ نظر آتے ہیں۔ ہر جاندار اس مستی میں جھومنے لگتا ہے۔ پرندوں کو بھی پرکشش ہواؤں میں اُڑنے کا مزہ آتا ہے۔ تیتروں کی آواز سے یوں لگتا ہے۔ جیسے وہ بھی زبانِ حال سے سبحان تیری قدرت کا ترانہ گا کر اللہ کی پاکیزگی اور بڑائی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہر طرف برسات کی خوشیاں ہیں اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔

بند ۴:۔ بولیں: بئے بٹیریں قمری پکارے: کُو کُو -------------------- کیا کیا مچی ہیں یارو ! برسات کی بہاریں

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: برسات کی بہاریں شاعر کا نام: نظیرؔ اکبر آبادی

تشریح:۔ نظم کے اس بند میں شاعر نظیرؔ اکبر آبادی برسات کے موسم کی پُر لطف حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خوبصورت موسم کی رنگینی میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ پرندے بھی وجد میں آ جاتے ہیں۔ پرندے بھی وجد میں آ کر اپنی سریلی آوازوں سے دلی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں۔ بئیا ایک پرندہ ہے جو گھاس کا ایک لٹکا ہوا خوبصورت گھونسلہ بناتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ بھی برسات کے موسم میں مستی میں آ کر بولنے لگتا ہے۔قمریاں کُو کُو پکار رہی ہیں۔ پپیہے پی پی کر رہے ہیں اور بگلے تُو تُو پکار رہے ہیں۔ہُد ہُد کی حق حق اور فاختاؤں کی ہُو ہُو کی آواز میں اللہ کی حمد و ثناء ہے۔ تمام پرندے اپنی اپنی مخصوص آواز میں اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ پرندے بھی اللہ کا شکر کرنے میں مصروف ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے موسم سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ شاعر برسات کی رنگینی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برسات کے موسم میں کیا کیا خوبصورت بہاریں موجود ہیں۔

بند۵:۔ کیچڑ سے ہورہی ہے جس جا زمین پھسلنی ------------------کیا کیا مچی ہیں یارو !برسات کی بہاریں

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: برسات کی بہاریں شاعر کانام: نظیراکبرآبادی

تشریح:۔ شاعراس بند میں برسات میں بارش کے بعد بننے والے کیچڑ کی ایک خوبصورت منظرکشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کیچڑ میں چلنے اور پھسلنے کا اپنا ہی مزا اور لطف ہے۔ظاہر ہے بارش ہوگی تو کیچڑ بھی ضرور ہوگا۔جس کی وجہ سے زمین پر پھسلن ہوجاتی ہے۔اور ہر شخص کے لیے اس میں چلنا دشوار ہوجاتا ہے۔اگر پاؤں پھسل جائے تو جسم کا توازن برقرار رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔جس کی وجہ سے سر کی ٹوپی اور پگڑی تک کیچڑ کی نذر ہوجاتی ہے۔راہ چلنا ایک مشکل ترین مرحلہ ہوجاتا ہے۔اگر پھسل کر کوئی گر پڑے تو باعث شرمندگی ہوتا ہے۔اس لیے اس کیچڑ میں ہرایک قدم خیال سے رکھنا پڑتا ہے۔کیونکہ اگر کیچڑ میں جوتی گر پڑے یا کیچڑ میں پھنس جائے تو پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔اس لیے تمہیں کیا بتاؤں کہ برسات نے کیا کیا دھوم مچادی ہے۔

بند۶:۔ گر گر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں مُعطر ------------------کیا کیا مچی ہیں یارو !برسات کی بہاریں

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: برسات کی بہاریں شاعر کانام: نظیراکبرآبادی

تشریح:۔ نظم کے اس مقطع میں شاعر نظیراکبرآبادی برسات کے موسم میں ہونے والی بارش کے بعد کے منظر کی دلکشی ودلفریبی بیان کرتے ہیں کہ بارش کے بعد نئے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ایک عجیب سا سماں ہوتا ہے۔جو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔کیونکہ بارش کے بعد زمین پر پھسلن ہونے کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار ہوجاتا ہے۔اگر ذرا توازن بگڑتا ہے تو لوگ منہ کے بل گرتے ہیں اور گرنے سے نہ صرف کپڑے خراب ہوجاتے ہیں۔بلکہ ہاتھ اور منہ بھی کیچڑ سے بھر جاتے ہیں۔اور یہ صورتِ حال کسی ایک کے ساتھ پیش نہیں آتی۔بلکہ ہر لحہ بے شمار لوگ اِدھر اُدھر پھسلتے رہتے ہیں۔اور یہ منظر اور بھی دلچسپی کا باعث ہوجاتا ہے۔جب اُن کے سر نیچے اور پاؤں اوپر ہوتے ہیں۔اس لیے شاعر کہتا ہے کہ برسات کے موسم میں رنگارنگ کیفیات دیکھنے کو ملتی ہیں۔شاعر کہتا ہے۔کہ برسات کی کیا کیا بہاریں ہیں اور برسات نے کیا کیا دھوم مچارکھی ہے۔

مشقی سوالات وجوابات

سوال۔۳ اس نظم میں کس کس پرندے کی کون کون سی آواز کا ذکر آیا ہے؟

جواب۔ نظم کاعنوان: برسات کی بہاریں شاعر کانام: نظیراکبرآبادی

اس نظم میں بٹیروں کی ہے، قمری کی کُوکُو ، تیتر کی سبحان تیری قدرت، بگلے کی تُوتُو ، پپیے کی پی پی ، ہُد ہُد کی حق حق، اور فاختہ کی ہُوہُو کی آوازوں کا ذکر ہیں۔

سوال۔۵ مسدس کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ لغوی معنی: عربی زبان کالفظ ہے۔جس کے معنی ہیں۔ چھ

اصلاحی معنی: اصلاح میں مسدس اس نظم کو کہتے ہیں۔جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔پہلے چار مصرعے آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔جبکہ پانچواں اور چھٹا مصرعہ ایک قافیہ میں ہوتا ہے۔

فنی وفکری جائزہ/تنقیدی جائزہ:۔

علامہ محمد اقبال

اقبال نے اپنے کلام میں حرکت اور عمل کا وہ نمونہ پیش کیا ہے کہ آنے والے شاعروں کے رجحانات کا رخ مڑ گیا اور اُردو شاعری کا مزاج بدل گیا۔محرومی اور یاس انگریز کی وہ روش جو قدیم زمانے سے چلی آرہی تھی،امید میں بدل گئی۔اقبال نے آزادی اور مردِ مومن کا تصور اس طرح پیش کیا کہ اقبال کا قاری اپنے زمانے کے کسی فرعون کے سامنے جھکنا اپنی عزتِ نفس کے خلاف سمجھتا ہے۔عشقِ رسولؐ اقبال کی سوچ کا محور ہے۔ان کے فکرونظر کے زاویے رسول پاکؐ کی محبت سے تپش،سوز اور نکھار حاصل کرتے ہیں۔ان کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا فلسفۂ خودی ہے۔شاہین اقبال کا پسندیدہ پرندہ ہے۔وہ بلند پرواز،خلوت پسند اور خود پسند پرندہ ہے۔یہی خوبیاں اقبال اپنے دور کے مسلمانوں میں بھی دیکھنا چاہتے تھے۔خیالات میں پختگی ہے۔طرزِ بیان پاکیزہ ہے۔اقبال کو صرف شاعر ہونا پسند نہ تھا۔بلکہ وہ سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرکے اس کے عروقِ مردہ میں نئی روح پھونکنا چاہتے تھے۔

Tehkals.com Learn & Teach

نظم ''طلوعِ اسلام'' کا پسِ منظر:۔

نظم ''طلوع اسلام''علامہ محمد اقبال کی معروف کتاب ''بانگ درا'' سے اخذ کی گئی ہے۔ یہ ''بانگ درا'' کی آخری اور سب سے طویل نظم ہے۔ جو تقریباً نوحصوں اور بہتر اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کا تیسرا اور چوتھا حصّہ، ہمارے نصاب میں شامل ہے۔ اقبال ایک دانشور کی حیثیت سے دردمند دل رکھتے تھے۔ وہ دنیا کے مختلف حصّوں میں ملت اسلامیہ کے عروج و زوال کو نہ صرف یہ کہ حقیقت پسندانہ انداز میں دیکھتے تھے بلکہ اس کے اثرات بھی قبول کرتے تھے۔ بانگ درا کی اس آخری طویل نظم میں وہ نسبتاً رجائیت کے حوالے سے سامنے آئے ہیں۔ کیونکہ جس وقت اس نظم کی تخلیق عمل میں آئی تو ساری دنیا کے مسلمان، بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔ جو اقبآل کی افتادِ طبع اور خواہشات کے عین مطابق تھی۔ چنانچہ پوری نظم اسی قسم کے تاثرات کی آئینہ دار ہے۔

شعر ا: خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مغلوبِ گماں تُو ہے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبآل

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان ! تُو ہمیشہ قائم رہنے والی خدا کی طاقت ہے اور تُو خدا کا ترجمان ہے۔ تُو اس خدائے پاک کی قدرت کا ہاتھ اور زبان ہے۔ جیسے کبھی زوال نہیں اس لیے اپنی حیثیت اور قدر پہچانو۔ اے غافل ! تجھ پر شک وشبہ نے غلبہ کر رکھا ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرو۔ تم اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہوگئے ہو۔ اپنے دل سے شطانی وسوسے نکال کر یقین محکم سے دنیا میں انقلاب پیدا کرو۔ اے غافل ! اس شک وشبہ سے چھٹکارا حاصل کر کے دل میں اللہ پر پختہ یقین اور سچا ایمان پیدا کرو۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ تیرے ذریعے سے دنیا سے ہم کلام ہونا چاہتا ہے۔ تیرے پاس وہ ضابطہِ حیات موجود اور محفوظ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کا ترجمان ہے اس لیے اب تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اس پاک ہستی پر شک وگمان میں مبتلا ہو جاؤ۔ بلکہ اس ذات پر پختہ یقین اور بھروسہ کرنا سیکھو۔

شعر ۲: پَرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کارواں تُو ہے

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر ''علامہ اقبآل'' مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمان ! کیا تجھے اپنی منزل کا کچھ اندازہ ہے؟ تیرا نصب العین کیا ہے؟ اور تجھے کہاں پہنچنا ہے؟ اے مسلمان ! تُو تو اس قافلے کے مشابہ ہے کہ جس کی منزلِ مقصود ستاروں کی بلندی کو بھی شرماتی ہے۔ اے مسلمان! ذرا غور کر کہ تیری منزلِ مقصود تو آسمان سے بھی کہیں آگے ہے۔ تیرے بلند مقاصد کے سامنے ستارے بھی گردِ کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ قدرت نے تیرے مقام کو جو رفعت عطا کی ہے وہ کسی دوسری قوم کو حاصل نہیں۔ دراصل شاعر مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ تسخیرِ کائنات اور تسخیرِ فطرت تیرا اہم فریضہ ہے۔ اس لیے تجھے اپنا سفر آسمانوں سے آگے تک جاری رکھنا ہے۔ کیونکہ مسلسل سفر اور جدوجہد مسلمانوں پر فرض ہے۔

شعر ۳: مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جاوداں تُو ہے !

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبآل نے مسلمانوں کو اُن کی حیثیت بتائی ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ عالم فانی ہے۔ یعنی یہ ایک نہ ایک دن ختم ہونے والا ہے۔ اور اس میں موجود باشندے بھی فانی ہیں۔ یہ سب انسان یہاں تھوڑی دیر کے مہمان ہیں۔ یعنی یہ سب کچھ مٹ جائے گا۔ لیکن اے مسلمان ! تُو خدا کا آخری پیغام ہے اسی باعث تو ہمیشہ قائم ودائم رہے گا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور انسانیت کے لیے آخری پیغامِ عمل ہے۔ جو کہ قیامت تک باقی رہے گا اور تیری خوش قسمتی ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا ہے۔ یقین رکھو کہ دنیا کے وجود سے اس کے انجام تک جو کچھ ہے۔ سب کچھ تیرا ہے اور تُو اللہ کا آخری پیغام ہے۔ قرآن کی تعلیم آپ ﷺ کے بعد تجھے قائم رکھنی ہے۔ اس لیے اپنی حیثیت کو پہچان کر خود کو دنیا میں گرنے سے بچالو۔

شعر ۴: حنا بندِ عروسِ لالہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔معمارِ جہاں تُو ہے!

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ علامہ اقبال کائنات میں مسلمانوں کے مقام اور ان کے کردار کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گل لالہ کی دلہن کے لیے تیرے جگر کے خون سے آراستہ کرنے کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ یعنی اے مسلمان ! لالہ کے پھول کی سرخی میں تیرا خون جگر شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسانی فطرت کی آرائش

تیری ہی محنت ومشقت اورتعلیم وتربیت کی محتاج ہے۔شاعر کہتے ہیں کہ اے مسلمان ! تیری نسبت ابراہیمؑ سے ہے،جنہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اوراسی نسبت کی برکت تجھے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دنیا کی تعمیرِ نو کا کام سونپا گیا۔لیکن تیری ذمہ داری کچھ اورزیادہ ہے۔یعنی یہ کہ ساری دنیا کی تعمیر کرے اوراس کو منظّم کرے۔ تجھے سنجیدہ ہوکراس کام کوانجام دینا ہے۔تیرے کندھوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہے کہ مسلسل محنت سے اس کائنات کی خوشنمائی میں اضافہ کرے۔

شعر۵: تری فطرت امیں ہے ----------------------گویا امتحاں تُو ہے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ شاعرعلامہ محمد اقبالؔ مسلمانوں کوان کا مقام،اہمیت اور مقصد یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ نے تیرے لیے بنائی ہے تُو اس کائنات کا راز ہےاوراس زندگی میں ترقی کرنے اورپھلنے پھولنے کی ساری قوتیں امانت کے طور پر تیری فطرت میں رکھ دی گئی ہیں۔اس دنیا میں ساری پوشیدہ صلاحیتیں پرکھنے کا معیارتو ہی ہے۔تیرے ذریعے سے یہ دنیا پرظاہرہوں گی۔اس لیے اپنی اہمیت کوسمجھ لے اوراپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام لے کراس مقصد کی تکمیل کرو۔ تجھے اللہ نے ایسی صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ جوکسی کے پاس نہیں۔ان کو ضائع ہونے سے بچاؤ،اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھا کراُس مقصد کی تکمیل کروجس کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔کیونکہ حقیقت میں مسلمان ہی اللہ کا نائب اورخلیفہ ہے۔یعنی جن اشیاء سے دنیا میں زندگی ممکن ہوتی ہے ان کی حفاظت اوران کا کھوج لگا کر انسانیت کی فلاح کے کام میں لانا تیری ذمہ داری ہے۔اے مسلمان ! اس آزمائش میں پورا اُترنے کی کوشش کرو۔

شعر۶: جہانِ آب وگل سے عالم----------------------وہ ارمغاں تُو ہے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر مسلمانوں کوتحفہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مادی دنیا کی بہترین دولت اسلام ہے۔آخرت میں بھی اس سے بڑھ کراورکوئی تحفہ نہیں ہوسکتا۔اس لیے مسلمانوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! دنیا،جس کی تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اورآخرت جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔اسے سنوارنے کی خاطر اللہ نے انبیاء اوررسولوں کواسلام کی تعلیمات کا ایک عظیم تحفہ دیا۔اب چونکہ یہ انبیاء اوررسول اس دنیا میں موجود نہیں اس لیے توحید کا تحفہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔اب کوئی کتاب،شریعت یا پیغمبر نہیں آئے گا۔اس لیے اب یہ تیری ذمہ داری ہے۔کہ کلمہ ءتوحید کی روشنی سے پوری دنیا کومنور کردے اوراسے انجام تک پہنچانا تیرا فرض ہے۔

شعر۷: یہ نکتہ سرگذشتِ ملتِ بیضا سے--------------------پاسباں تُو ہے

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبالؔ

تشریح:۔ اقبال کی شاعری میں قوت وحرکت کاعنصر سب سے زیادہ غالب ہے۔انکا فلسفہ خودی ان کی شاعری میں نمایاں وصف ہے۔چونکہ مسلمان اپنی خودی کھوبیٹھے ہیں۔اس لیے اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اے مسلمان ! ملتِ اسلامیہ کی تاریخ سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ ایشیاء کی زمین میں جتنی قومیں بھی آباد ہیں،ان کی حفاظت کرنے والا مسلمان کے سوا کوئی نہیں۔اس صورتِ حال میں تیرے لیے لازم ہے کہ پھر سے اپنے اسلاف کی تعلیمات کو یاد کرو۔تاکہ پھر سے دنیا پر چھا جاؤ۔مراد یہ ہے کہ براعظم ایشیاء کی حفاظت ہمیشہ توحید کے ماننے والوں نے کی ہےاوراب بھی اِس سرزمین کی حفاظت اور پاسبانی تیری ذمہ داری ہے۔مسلمان کی ساری عظمت اسلامی تعلیمات پرعمل کرنے میں ہی پوشیدہ ہے۔

شعر۸: سبق پھر پڑھ صداقت کا،عدالت کا ----------------------- کام دنیا کی امامت کا

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کاعنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبالؔ

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر نے پہلے شعر کے تسلسل کوآگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اے مسلمان !اس صورت حال میں لازم ہے کہ پھراپنے بزرگوں کی تعلیمات کو یاد کرو۔تجھے اپنے اندر حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسی صداقت،عمر فاروقؓ والی عدالت کا انصاف اور حضرت علیؓ جیسی بہادری پیدا کرنی ہے۔اس کے بغیر دنیا میں طاقت کاحصّول وکامرانی ناممکن ہے۔اے مسلمان!جس طرح تیرے بزرگوں نے حق وصداقت،عدل وانصاف اور بہادری جیسے اوصاف کے ساتھ پوری دنیا پرحکومت کی۔اسی طرح اب اگرتو یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرے تو دنیا پرحکمرانی کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ تیرے حوالے کردے گا۔اس دنیا کی تمام قوموں کوایک سردار کی ضرورت ہے۔جس میں یہ تمام خوبیاں ہوں گی۔وہی اس فریضے کوانجام دے سکے گا،اس لیے تعلیمات اسلامی پرسختی سے عمل پیرا ہوجاؤ۔

صداقت سے مراد سچائی کا عملی نمونہ بن کر دنیا والوں کو سچائی کی دعوت دینا۔ جس کی تصدیق قرآن نے کی، عدالت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اپنے پرائے میں تمیز کیے بغیر سب سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرنا۔ شجاعت سے مراد یہ ہے کہ باطل قوتوں سے ٹکرانے کا موقع آئے تو دشمن کی بڑی سے بڑی قوت سے خوفزدہ نہ ہو۔ اگر تجھ میں یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں تو ساری دنیا کی امامت پر فائز ہو سکتے ہو۔ اس شعر میں ایک اچھے قائد کی خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔

شعر۹: یہی مقصودِ فطرت ہے ------------------------ محبت کی فراوانی

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبالؔ

تشریح:۔ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اقبالؔ فرماتے ہیں کہ اے مردِ مومن ! تیرے لیے لازم ہے کہ تو محبت اور بھائی چارے کے رویے کو ساری دنیا میں عام کردے۔ آپؐ نے بھی بھائی چارے کی مثال قائم کی تھی۔ اس کے فوائد اور عظمت ساری دنیا کے سامنے ہے۔ کیونکہ فطرت کا مقصد اور مسلمان ہونے کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ اس لیے توحید کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے نہ پڑو۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر بھائی چارہ قائم ہو اور ہر طرف محبت کی فراوانی ہو تو امن وسکون قائم ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ''مسلمان ایک جسم کی طرح ہے۔ اگر جسم کے ایک حصّے میں تکلیف ہو تو وہ تکلیف پورا جسم محسوس کرتا ہے۔'' اسلام نے اُمتِ مسلمہ کے افراد کو محبت اور پیار کی لڑی میں پرونے کے لیے ان میں اخوت کا رشتہ قائم کر دیا ہے۔ یہ اللہ کا ایک خاص انعام ہے اور اسلام کی امتیازی حیثیت ہے۔ جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک خاص مرکز پر جمع کر دیا ہے۔ اور ان کے درمیان رحم، شفقت، محبت، خیر خواہی اور صلح صفائی کی اعلیٰ صفات پیدا کر دی ہیں۔ دوسروں کے دلوں پر حکومت کرنے کا راز اِنہیں صفات میں پوشیدہ ہے۔

شعر۱۰: بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت ------------------------ نہ ایرانی، نہ افغانی

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبالؔ

تشریح:۔ علامہ اقبالؔ نے رنگ اور ذات پات کے تصور کو بت پرستی قرار دیا ہے اور یہ تصور پیش کیا ہے کہ جس طرح بت پرست قسم قسم کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی رنگ اور نسل کے بتوں کی پوجا شروع کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمانو ! ان بتوں کو توڑ کر ملتِ اسلامیہ میں داخل ہو جاؤ۔ اور ذات پات، خاندان اور قبیلے کے تیازات کو مٹا دو۔ اپنے آپ کو تورانی، ایرانی اور افغانی کہنے کی بجائے ملت اسلامیہ کا فرد سمجھو۔ اپنے آپ کو کسی نسل، ملک یا وطن سے منسوب نہ کرو۔ کیونکہ تیری شناخت تورانی۔ ایرانی یا افغانی کے حوالے سے نہیں بلکہ ملّت کے فرد کے طور پر ہے۔ ملّتِ واحد کا تصور اس صورت میں عام ہو سکتا ہے۔ کہ علاقائی حدود کو یکسر مسترد کر دیا جائے۔

شعر۱۱: میانِ شاخساراں صحبتِ مرغ ------------------------ پروازِ شاہینِ قہستانی

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ شاہین علامہ اقبالؔ کا محبوب پرندہ ہے۔ کیونکہ وہ بلند پرواز ہے۔ پرندوں کا بادشاہ ہے۔ جس پرندے پر چاہے جھپٹ سکتا ہے۔ کوئی پرندہ اس پر حملہ نہیں کر سکتا قناعت پسند ہے۔ مجاہد ہے۔ اپنے لیے گھونسلہ نہیں بناتا۔ کسی پہاڑ کی چٹان پر بسیرا کرتا ہے۔ علامہ اقبالؔ کہتے ہیں کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے اندر شاہین جیسی صفات پیدا کرے۔ اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جب تیرے بازوں میں پہاڑ پر بسیرا کرنے والے شاہین کی طاقت اور صلاحیت ہے تو پھر درخت کی شاخ پر بیٹھ کر باغ کے پرندوں سے راہ ورسم پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں بلند ترین فضا سے مراد ملّت ہے اور درخت کی شاخ سے مراد قبیلہ ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تو ساری دنیا کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو کسی خاص خطہءارض پر قناعت کس لیے کرتا ہے۔

شعر۱۲: گماں آبادِ ہستی میں یقین ------------------------ میں قندیلِ رہبانی

حوالہ نظم وشاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر ''علامہ اقبالؔ'' مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے مسلمان! یاد رکھو اِس وہم وگمان سے آباد ہوئی دنیا میں ایمان کا مرتبہ وہی ہے۔ جو بیابان کی تاریک رات میں کسی تارکُ الدنیا (راہب) کی جھونپڑی میں چراغ کا ہو سکتا ہے۔ جس طرح وہ چراغ بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھا سکتا ہے یا پناہ دے سکتا ہے اسی طرح ایک سچا مسلمان بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھی راہ دکھا سکتا ہے اور گمراہی کی تاریکی سے نکال کر علم کے نور سے منور کر سکتا ہے۔ یقینِ مردِ مسلمان سے مراد ایمان ہے اور ایمان کی روشنی ہی مسلمان کو تاریکی سے نکالتی ہے۔ یہ ایمان کی روشنی اس کے لیے چراغ کا کام کرتی ہے اور

Tehkals.com Learn & Teach

اس کے ظلمت کدے کو منور کرتی ہے۔

شعر۱۳: مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد ---------------------- فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ شاعر مسلمانوں کو اسلاف جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کی بہادری اور جرات مندی کی مثال پیش کرتے ہیں۔''قیصر'' روم کا بادشاہ تھا۔اس کی سلطنت سارے یورپ،افریقہ اور شام و مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔اسی طرح ایران کے بادشاہ کا نام''کسریٰ'' تھا۔وہ عربوں کے متعلق بہت بری رائے رکھتا تھا۔اس کے سر پر ستر کلوگرام وزنی تاج چھت سے لٹک رہا تھا۔اس وقت دنیا میں یہی دو قومیں طاقت ور تھیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کو اپنا غلام سمجھتی تھیں۔اور بے حد ظالم تھے۔حضرت علیؓ کے زورِ بازو،حضرت ابوذر غفاریؓ کی درویشی اور حضرت سلمان فارسیؓ کی سچائی نے ان کے ظلم کو مٹا دیا۔ظاہر ہے۔اے مسلمان ! تُو بھی انہی خصوصیات کا امین اور وارث ہے گویا شجاعت،فقر و درویشی اور بے باک صداقت جیسی صفات ہی ملتِ اسلامیہ کو کفر و باطل کے ظلم و ستم کے خلاف کھڑا کر کے اس کو مٹا سکتی ہیں۔

شعر۱۴: ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما ---------------------- ہیں صدیوں کے زندانی

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر علامہ اقبالؔ مسلمانوں کی شاندار حکومت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دنیا میں مسلمانوں نے اس شان سے حکومت کی کہ انسانوں کو آزادی کا درس دیا۔جو لوگ صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔وہ نگاہ کی ایک جنبش سے آزاد ہو گئے۔تاریخ اُن کی داستانوں سے بھری پڑی ہے مثلاً نصری،شامی،ایرانی،عراقی اور ہندی اقوام نے جب اسلام قبول کیا تو وہ بتوں،برہمنوں،ذات پات کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ملّتِ اسلامیہ کے افراد اس شان سے آزادی کی راہ پر چل پڑے کہ پوری دنیا محوِ حیرت ہو گئی۔جو مغلوب تھے۔قید خانے کی سلاخوں سے باہر کھلی فضا میں آزادی کی سانس لینے لگے۔

شعر۱۵: ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ---------------------- پائندہ تر نکلا ہے تورانی

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر علامہ اقبالؔ ترک قوم کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مسلمان ! یاد رکھو صرف ایمان کی رسی ہی وہ مضبوط رسی ہے۔جو تمہیں ثابت قدم رکھ سکتی ہے۔وہ جس سے تمہیں استحکام حاصل ہوگا۔جب تک تمہارے پاس ایمان کی طاقت رہے گی۔دنیا تمہارے قدموں میں رہے گی یہی وجہ ہے کہ ترک قوم جرمن قوم سے مضبوط اور پائیدار ثابت ہوئی۔جرمن ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ہونے کے باوجود بے وسیلہ ترکوں کے جذبہ ٔ آزادی اور ایمانِ محکم سے شکست کھا گئے۔علامہ اقبالؔ کا اشارہ ترکوں کی ان فتوحات کی طرف ہے۔جو ۱۹۱۸ء کی شکست سے صرف چار سال بعد انہوں نے حاصل کیں اور پھر وہ ایک طاقتور ملک بنا ۔یعنی دنیا میں زندگی کا قرار و سکون مضبوط ایمان کی وجہ سے ممکن ہے اور ہمیشہ رہنے والی روشن فتوحات مسلمان اقوام کے ہی مقدر میں آئیں گی۔لیکن اس کے لیے ایمان محکم اشد ضروری ہے۔

شعر۱۶: جب اس انگارۂ خاکی میں ---------------------- بال و پر روح الامیں پیدا

حوالہ نظم و شاعر:۔ نظم کا عنوان: طلوعِ اسلام شاعر کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح:۔ ''علامہ اقبال'' اس شعر میں انسان کی تخلیق اور پختہ ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مٹی کے دہکتے ہوئے اس کوئلے میں جب یقین اور اعتماد پیدا ہوتا ہے تو وہ مضبوط ہو جاتا ہے۔یعنی جب انسان کے دل میں خدا پر پختہ یقین اور ایمان پیدا ہوتا ہے تو اس کے بازوؤں میں حضرت جبرائیلؑ کی جیسی طاقت اور قوت پیدا ہوتی ہے اور ہر مشکل کو آسانی سے یاد کر لیتا ہے۔یہاں شاعر واقعہ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روح الامین یعنی حضرت جبرائیلؑ اپنے دونوں بازوؤں اور پروں کی طاقت سے آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے۔لیکن وہ جگہ جہاں آپ علیہ السلام کے پرنور کی تجلی سے جلتے تھے،وہاں رسائی ممکن نہ تھی۔آپ ﷺ اپنے ایمان کی طاقت سے آگے بڑھے۔جس طرح حضرت جبرائیلؑ دنیا فضاؤں سے نکل کر عرش معلی کی فضاؤں میں پرواز کرتے تھے۔ایسے ہی انسان اپنے علم و معرفت کی وجہ سے ان حقیقتوں کو جان لیتا ہے۔جو عام نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔شاعر کہنا چاہتے ہیں کہ جب مٹی کچی ہوتی ہے تو فضا

بکھر جاتی ہے۔لیکن جب اس کچی گیلی مٹی کو آگ میں پکایا جاتا ہے۔تو چٹانوں جیسی مضبوط ہو جاتی ہے۔اسی طرح عام انسان کے دل میں توحید و رسالت اور ایمان و یقین کی پختگی آتی ہے تو پھر وہ ایسی بلندیوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔جہاں روح الامین جیسے طاقتور فرشتے بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

شاعرانہ خصوصیات/ غزل گوئی پر نوٹ / تنقیدی جائزہ:

میر تقی میرؔ

میر تقی میرؔ کو ''خدائے سخن '' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔سوداؔ، غالبؔ ،حالیؔ ،حسرتؔ غرض بڑے بڑے شعراء نے میرؔ کو اُستاد تسلیم کیا ہے۔میرؔ کی عظمت کا راز اُن کی غزل گوئی میں پوشیدہ ہے۔میرؔ کے جذبات سچے،طرزِ بیان سادہ اور لہجہ دردمند ہے۔وہ اپنی شاعری میں صرف جذبات سے کام نہیں لیتے حقیقت پسندی بھی ان کے کلام کی جان ہے۔اُن کی ذاتی ناکامیوں نے اُن کے کلام میں سوز و گداز اور احساس کی شدت پیدا کر دی۔تغزّل کے میدان میں آج تک میرؔ کی برابری کا دعویٰ کوئی شاعر نہیں کر سکا۔میرؔ کی بحریں مترنم اور شیریں ہوتی ہیں۔بول چال کا انداز اُن کے کلام میں نیا لطف پیدا کر دیتا ہے۔خوبصورت تشبیہات کے استعمال پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

غزل:۔ ا

شعر ا:۔ اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میرؔ

تشریح:۔ میرؔ کی تمام زندگی رنج و الم میں گزری، وہ مسلسل محرومیوں کا شکار ہے۔اُن کے کلام میں اسی رنج و غم کی عکاسی ملتی ہے۔اس شعر میں میرؔ شدتِ غم کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری زندگی رونے سے ماخوذ ہے، میں ہر طرف سے پریشانیوں اور دُکھوں میں گھرا ہوا ہوں۔میں ہر وقت تفکّرات میں ڈوبا رہتا ہوں۔رنج و غم کی اس شدت سے میری آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہتے ہیں۔اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ انتہائے شدتِ غم میں میری آنکھوں سے خون کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔گویا میرا دِل اسی رنج و غم میں اتنا کڑھتا ہے اور وہی خون آنکھوں سے ٹپکنے لگتا ہے۔شاعر کو محبوب کی جدائی کا صدمہ بھی ہو سکتا ہے۔جدائی میں بہنے والے آنسوؤں کی وجہ سے آنکھیں سُرخ ہو چکی ہیں اور جب اِن آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو لگتا ہے کہ خون بہہ رہا ہے۔بہر حال وجہ کوئی بھی ہو ہم اِسے حقیقت اور مجاز دونوں پر محمول کر سکتے ہیں۔ یہ شعر میر کے مخصوص اندازِ فکر کی عکاسی کرتا ہے اور اُن کی زندگی کا صحیح ترجمان ہے۔

غماز بن گئے ہیں آنسو غم نہاں کے آنکھوں سے گر رہے ہیں ٹکڑے مری فغاں کے

شعر۲ :۔ ہوش جاتا رہا نہیں لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایک ہوش مند انسان ہوں۔زندگی کے واقعات و حادثات نے مجھے کبھی بھی حواس باختہ نہیں کیا۔لیکن جب محبوب کا سامنا ہوتا ہے تو میرے ہوش و حواس جواب دے جاتے ہیں۔میرا دِل قابو میں نہیں رہتا اور میرا شعور بھی جواب دے جاتا ہے۔خوشی کے جذبات مجھے بدحواس کر دیتے ہیں۔ایک تو محبوب سے ملاقات کی مُسرت اور دوسرے اُس کے حُسن کی ادائیں مجھے بے قابو کر دیتی ہیں اور میں اُسے اپنے دِل کا مُدّعا بیان کرنے کے قابل نہیں رہتا۔میں اُسکے رعبِ حُسن سے اس قدر متاثر ہوتا ہوں کہ میری قوتِ گویائی جواب دے جاتی ہے۔اگر اس کے حقیقی معانی مُراد لیے جائیں تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی مثال دی جا سکتی ہے کہ آپؑ نے دیدارِ الٰہی کا مطالبہ کیا۔لیکن حسنِ حقیقی کی تجلی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بقول شاعر !

دِکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

شعر۳ :۔ صبر تھا ایک مونسِ ہجراں سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ محبوب سے جُدائی کے لمحات میرے لیے بڑے کٹھن، تکلیف دہ اور نا قابلِ برداشت تھے۔ لیکن جُدائی کے اِس دردناک لمحات میں صبر میرا ایک ہمدرد اور خیر خواہ ساتھی تھا۔ میں دکھ اور پریشانی کو صرف اس اُمید پر برداشت کرتا رہا کہ محبوب دوبارہ کبھی تو ملے گا کبھی تو جُدائی کی یہ تکلیف دہ گھڑیاں ختم ہوں گی۔ اسی طرح جدائی کا زمانہ گزرتا رہا اور میں صبر کر کے انتظار کرتا رہا۔ اس عرصے میں صبر میرا ساتھی بنا رہا۔ لیکن اس صبر نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب میں ہوں اور شب و روز کی تڑپ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ محبوب سے ملنے کی تمام اُمیدیں دم توڑ چکی ہیں۔ اب صبر نے بھی دیرینہ ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اور میں تن تنہا ہجر و فراق کے صدمے سہہ رہا ہوں۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کی قوت برداشت کی ایک حد ہوتی ہے اور انسان برداشت اُسی وقت تک کرتا ہے۔ جب تک جسمانی توانائی اور روحانی قوت ساتھ دے جب مایوسیاں اور نا اُمیدیاں حد سے بڑھ جائیں تو انسان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے۔ بقول شاعر !

صبر ایوب کیا، گریہء یعقوب کیا ہم نے اے عشق ترے واسطے کیا کیا نہ کیا

شعر۴ :۔ دِل سے رُخصت ہوئی کوئی خواہش گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ انسان کا دِل بے شمار آرزوؤں اور خواہشوں کا مرکز ہے۔ جب اس کی کوئی خواہش پایہء تکمیل تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا دِل باغ باغ ہوجاتا ہے، لیکن جب اِس کی خواہش تشنہء تکمیل رہتی ہے تو وہ غمزدہ اور رنجیدہ ہوجاتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ہر خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ کیونکہ مجھے اُمید تھی کہ محبوب مجھ سے ملنے ضرور آئے گا لیکن محبوب کی بے رُخی نے میری تمام اُمیدوں کو مار ڈالا صبر وضبط کا پیمانہ چھلک پڑا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ ظاہر ہے انسان کسی آرزو، تمنا اور خواہش کے سہارے ہی زندہ رہتا ہے جب یہ تمنا ہی باقی نہ رہے تو وہ زندگی سے مایوس ہوجاتا ہے اور شدتِ غم کی تاب نہ لاتے ہوئے اشکبار ہوجاتا ہے۔ بقول داغ !

دردمندوں سے کہیں ضبطِ فغاں ہوتا ہے چپکے چپکے تیرے بیمار کراہیں کیونکر؟

شعر۵ :۔ حوصلہ شرطِ عشق ہے ورنہ بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ عشق و محبت کے کچھ آداب و شرائط ہیں۔ عشق و محبت کی ایک لازمی شرط حوصلہ اور ضبط و برداشت ہے۔ عشق میں ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ عاشق کو بات کرنے کا سلیقہ اور گفتگو کا قرینہ ضرور آنا چاہیے۔ تب ہی محبوب اُس کو توجہ دے سکتا ہے۔ میؔر کہتے ہیں کہ میں بھی عشق و محبت اور گفتگو کے تمام آداب سے واقف ہوں اور اپنے دِل کی بات بیان کرنے پر بھی قادر ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ خلافِ آدب محبت ہے۔ میں آدابِ عشق کی رعایت رکھتے ہوئے اپنے دِل کی بات زبان پر نہیں لاؤں گا کیونکہ ''شیوہء عشق نہیں حسن کو رُسوا کرنا'' میں ایک سچے عاشق کی طرح محبوب کا ظلم و ستم برداشت کرتا ہوں۔ حرفِ شکایت لب پر نہیں لاتا اور فریاد نہیں کرتا۔ اسی لیے میں نے سکوت اور خاموشی کو اختیار کرلیا ہے۔ کیونکہ عاشق (مجھے) کو صرف محبوب کی رضا مطلوب ہے۔

بقول غالب! ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

شعر۶ :۔ جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ شاعر اس شعر میں اپنے دِل کی بات محبوب کے سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اپنے دِل میں کیا کیا ارمان اور خواہش لیے بیٹھا ہوں۔ طرح طرح کی شکایتیں اور گلے شکوے ہیں۔ لیکن میں اپنی زبان سے ان کا اظہار کر کے وفا کے نام پر دھبہ نہیں لگانا چاہتا۔ کیونکہ

عشق ومحبت میں سب سے اہم اور مقدم چیز یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ برداشت کرلیا جائے اور منہ سے کچھ نہ کہا جائے۔ مصیبتیں اور تکلیفیں آئیں توچُپ چاپ سہہ جاتی ہیں۔شاعر محبوب کے روبُرو اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتا۔جبکہ اُسکے دل میں ایک ہنگامہ برپا ہے۔مگر بات ہونٹوں تک نہیں آسکتی کیونکہ ادب واحترام غالب ہے اور یہ بھی ڈر ہے کہ محبوب کو کوئی بات ناگوار نہ گزرے اس لیے خاموشی کوترجیح دیتا ہے۔اور بات ہونٹوں تک نہیں لاتا یہی تقاضۂ عشق ہے۔

کہتے تو ہو ، یوں کہتے، یوں کہتے جو وہ آتا　　　سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی کہا نہ جاتا

شعر۷ :۔ دور بیٹھا غبارِ میؔر اُن سے　　　عشق بِن یہ ادب نہیں آتا

شاعر: میر تقی میر

تشریح:۔ یہ مقطع کا شعر ہے۔شاعر ادب واحترام ، عاجزی وانکساری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام کیفیات عشق سے پیدا ہوتی ہیں۔انسان محبوب کے سامنے خودکو عاجز پاتا ہے۔جب کبھی عاشق محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو خاکِ راہ کو محبوب کے دامن پر پڑنے نہیں دیتا۔پرے اور دورہٹ کر بیٹھتا ہے۔تاکہ اُس کی شان کوئی گستاخی یا بےادبی نہ ہو۔عاشق کا غبار محبوب کا ازحد احترام کرتا ہے۔اس شعر کا دوسرا پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سچا عاشق کبھی بھی اپنے محبوب کا دامن داغ دار نہیں کرتا۔شاعر کہتے ہیں۔کہ میں محبوب کے پاؤں کی مٹی بن کر بھی اسے تکلیف نہیں دے سکتا۔ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب کا چہرہ عشق کی گرد سے آلودہ ہوجائے،شاعر یہ نہیں چاہتا کہ اِس کے محبوب کی بد نامی ہو۔یہ سعادت مندی، نیازمندی اور ادب سچے جذبہء عشق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ بقول علامہ اقبال !

خموش اے دِل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا　　　ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

غزل۲

شعر۱ :۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے　　　میاں! خوش رہو ہم دُعا کر چلے

شاعر:۔ میر تقی میؔر

تشریح:۔ غزل کے اِس مطلع میں خدائے سخن انسان سے زندگی کی ناپائیداری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح ایک فقیر کسی کے دروازے کوکھٹکھٹا کر بھیک مانگتا ہے اور اس کو یہی اُمید ہوتی ہے کہ اِس گھر کے لوگ دل کھول کر فقیر کو بھیک دیں گے۔ورنہ بعض اوقات خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں وہ اہلِ خانہ کو دعائیں دیتا ہوا چلا جاتا ہے۔شاعر کہتے ہیں کہ اے محبوب! تیرا عاشق تیرے در پے آج تجھ سے محبت کی بھیک مانگنے آیا ہے۔تو اگر نظرِ کرم اس فقیر کو عنایت کرے گا تو اللہ تیرا بھلا کرے گا لیکن اگر تو اس فقیر کو خالی ہاتھ لوٹا بھی دے تو یہ فقیر صبر کرتا ہوا تجھے خوش رہنے کی دعا دے کر چلا جائے گا۔ اے محبوب! اس دنیا میں مجھے ایک فقیر کے روپ میں بھیجا گیا تھا اب اِس دنیا والوں سے بےزار ہو کر رخصت ہو رہا ہوں۔

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا　　　اور درویش کی صدا کیا ہے

شعر۲:۔ جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　　ہو اِس عہد کو اب وفا کر چلے

تشریح:۔ اِس شعر میں میر تقی میؔر اپنے محبوب سے وفاداری نبھانے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب ! میرا تجھ سے یہ وعدہ تھا کہ تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔تو یہ حقیقت سے دور زبانی کلامی دعویٰ نہیں تھا۔بلکہ میرے سچے جذبات کی ترجمانی تھا۔میرے وعدے کا ثبوت یہ ہے کہ اب تیری جُدائی میں جان دے کر اپنے کئے ہوئے وعدے کو وفا کر چلا ہوں۔ اے محبوب تیرا ہجر و فراق ناقابلِ برداشت ہے۔جسے میرا ذہن و دِل قبول کرنے سے قاصر ہے۔شاعر کا وعدہ تھا کہ اگر محبوب نہ ملا تو وہ دُنیا چھوڑ کر چلا جائے گا۔اسلئے محبوب کی بےرُخی نے عاشق کو اپنا کیا گیا وعدہ یاد کروا دیا ہے۔ اور اِسی وعدے کو نبھانے کے لئے شاعر دنیا سے رُخصت ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔

دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے　　　وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

شعر۳:۔ نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے ہمیں داغ اپنا دِکھا کر چلے

شاعر:۔ میر تقی میرؔ

تشریح:۔ شاعر میر تقی میرؔ اپنے دوستوں سے پرخلوص رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے دوستوں میں سے کسی ایک کو بھی رنجیدہ اور غمزدہ نہیں دیکھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سچے اور پرخلوص دوستوں کا رشتہ گہرا ہوتا ہے۔ اور ایک سچا دوست اپنے دوست کی خوشی اور غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ چونکہ شاعر نے ہمیشہ غمگین زندگی گزاری ہے۔ زندگی کے مصائب و آلام اور پھر محبوب کی بے رُخی کا غم اِس لئے شاعر اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شکر ہے کہ میرے دوستوں کو خدا نے محبوب کی بے رُخی کا داغ نہیں دیا۔ شاعر کہتے ہیں کہ مجھے دُکھی دیکھ کر دوستوں کو بھی دُکھ ہوگا۔ دوست ویسے تو دُکھی نہ تھے۔ مگر میں نے اپنے داغ دِکھا کر اُنھیں رنجیدہ کر دیا اور اب اس داغ دار دِل کے ساتھ دنیا سے رُخصت ہو رہا ہوں۔

جیتے جی موت کے تم مُنہ میں نہ جانا ہرگز دوستو! دِل نہ لگانا ، نہ لگانا ہرگز

شعر۴:۔ شِفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی کہ مقدور تک تو دوا کو چلے

شاعر:۔ میر تقی میرؔ

تشریح:۔ شاعر میر تقی میرؔ عِشق کو ایک لاعلاج مرض جانتے ہوئے کہتے ہیں۔ عشق جیسے مرض میں جو مبتلا ہو جائے اس کا علاج ناممکن ہے۔ اور میں بھی ایسا بدنصیب اِنسان ہوں جو اس مرض میں مبتلا ہے۔ اور اس بیماری سے اب صحت یابی ممکن نہیں۔ کیونکہ میں اپنی حیثیت و استطاعت اور طاقت کے مطابق اس سے دور رہنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لاعلاج اور مہلک بیماری میری قسمت میں لکھی جا چکی ہے اور اب شِفا اور اس سے چھٹکارا نہیں۔ اس کو میں نے آخری سانس تک سہنا ہے۔ کیونکہ میں نے دوا اور دُعا میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر میر تقدیر میں شِفا نہیں۔

دیکھ مجھے طبیب آج پوچھا جو حالتِ مزاج کہنے لگا کہ لاعلاج بندہ ہوں میں خدا نہیں

شعر۵:۔ شِفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی کہ مقدور تک تو دوا کو چلے

شاعر:۔ میر تقی میرؔ

تشریح:۔ غزل کے اِس شعر میں ملک الشعراء اپنی بدنصیبی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ جانے یہ محبت کا جذبہ ہے کہ محبوب کے نظر آتے ہی ساری دنیا یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔ عاشق دوسرے اِنسانوں کی ہم نشینی سے بھی گریز کرتا ہے صرف وہ یہی چاہتا ہے کہ محبوب اس کی نظروں کے سامنے رہے۔ اُسے دنیا کی پھر کوئی شے اپنی طرف نہ متوجہ کرتی ہے اور نہ ہی متاثر کرتی ہے۔ دوسرا مفہوم ''فنا'' کا بھی ہو سکتا ہے کہ شاعرانہ انداز میں میرؔ کہتے ہیں کہ نہیں معلوم لوگوں نے آخرت میں کیا خوبی اور دلکشی دیکھ لی ہے کہ دنیا کی تمام تر رعنائیوں اور رنگینوں کے باوجود لوگ دنیا سے قطع تعلق کر کے سارا مال و دولت عزیز و اقارب چھوڑ کر دوسری دنیا چلے جاتے ہیں، وہاں ایسا دِل لگتا ہے کہ پھر واپس آنے کا نام بھی نہیں لیتے۔

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب چار بیٹھے ہیں بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

شعر۶:۔ دِکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

شاعر:۔ میر تقی میرؔ

تشریح:۔ شاعر میر تقی میرؔ کے اِس شعر کو مجازی معنوں میں لیں تو شاعر محبوب کے دیدار سے کافی خوش نظر آتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے محبوب ! خدا نے تجھے اس قدر حسین بنایا ہے کہ جب جب تُو میرے سامنے آتا ہے تیرے حُسن کے جلوے کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ تجھے ملنے گیا تھا مگر اپنے آپ کو بھی گُم کر بیٹھا۔ حقیقی مفہوم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے ساتھ بھی یہی صورتِ حال پیش آئی۔ جب محبوبِ حقیقی سے جلوے کا تقاضا ہونے پر اس ذاتِ الٰہی نے کوہِ طور پر اپنی تجلّی دِکھائی تو موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے، محبوب حقیقی کے جلوے کی تاب نہ لا سکے۔

ایک دم دل سے بھلایا نہیں جاتا خُدا جانے کس حال میں دیکھا ہے تمہیں

شعر۷:۔ جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ بندے کا کام آقا کے حکم کے آگے سر جھکانا ہے۔ میں ساری زندگی رکوع وسجود میں گزاردی۔ فرض ونفلی عبادات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اے اللہ ! تیرے احکام کی بجا آواری کو ہمیشہ فوقیت دی۔ تیرے حضور ہمیشہ سجدہ ریز رہا، تجھے راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اگرچہ یہ زندگی وبندگی رب کو راضی کرنے کے لیے انتہائی مختصر ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ جوں جوں میری موت قریب آرہی ہے میری عبادات میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہر وقت اُس کے حضور رکوع وسجود میں رہتا ہوں۔ اور مجھے لگتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حقوق اللہ ادا کردیئے ہیں۔

نہ سجدۂ درِ جاناں سے سر اُٹھاؤں گا یہ وہ نماز ہے جس کا کبھی سلام نہیں

شعر۸:۔ کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

شاعر:۔ میر تقی میرؔ

تشریح:۔ غزل کے اِس مقطع میں شاعر میر تقی میرؔ خود سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے اور دیگر نیک اعمال کے وسیلے سے سفرِ آخرت کے لیے زادِراہ اکٹھی کرے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی رنگینیوں اور شیطان کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتا ہے اور اپنے مقصدِ حیات کو بُھلا دیتا ہے۔ اے میرؔ ! تجھ سے اگر پوچھا گیا کہ زندگی کس مشغلے میں گزاردی تو کیا جواب دوگے ؟ کیونکہ زندگی کا مقصد اللہ کی بندگی ،مخلوقِ خدا کو نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے۔ میر تقی میرؔ کہتے ہیں کہ اگر میں اپنی زندگی پر نظر ڈالوں تو لگتا ہے کہ میں نے یہ مقاصد پورے نہیں کیے۔ ساری زندگی بے مقصد اور غفلت میں گزاردی میری زندگی ضائع چلی گئی۔ شاعر آخرت کے سوالوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ سوائے شرمندگی کے اُن کے پاس کوئی معقول جواب نہیں۔

تہمتیں چند اپنے ذِمّے دھر چلے کس لیے آئے تھے کیا کر چلے

غزل گوئی کی خصوصیات/تنقیدی جائزہ:۔

خواجہ حیدر علی آتشؔ

آتشؔ کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ان کی آتش بیانی ہے۔ جسے لکھنوی مزاج اور تہذیب نے پروان چڑھایا مگر اس کے باوجود ان کے اشعار میں بناوٹ نہیں ہے۔ آتشؔ کی زبان نہایت صاف، سادہ اور سلیس ہے۔ اشعار کی بندش چُست اور مضامین شوخ ہیں۔ جوش اور جذبے نے لکھنوی خارجیت کے ساتھ مل کر ایک نئے انداز کو جنم دیا ہے۔ ان کی شاعری میں آزادخیالی، قلندری اور فقیرانہ وآزادانہ شان پائی جاتی ہے۔ تشبیہات اور استعارات کا استعمال خوب کرتے ہیں۔ صوفیانہ روایت ان کی غزلوں میں خوب مل جاتی ہے۔ ان کے کلام سے طبیعت میں شگفتگی اور مسّرت پیدا ہوتی ہے۔

شعر۱:۔ سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتشؔ

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر خواجہ حیدر علی آتشؔ اپنے سنگدل محبوب کی بے رُخی اس کی بدسلوکی اور بُرے روّیے کی شکایت کرتا ہے کہ تم اس خیال میں ہو کہ تم پیار کرنے والے ہمدرد ہو، اور تمہارے روبرو بھی سبھی لوگ تمہاری تعریف وتوصیف کرتے ہیں اور تم اپنی تعریفیں سُن سُن کے پھولے نہیں سماتے۔ لیکن تمہیں اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیے۔ کہ لوگ تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔ تمہاری بے رُخی، بے مروّتی پر کم ہی اچھی رائے کا اظہار کرتے ہیں ۔ دراصل یہ شعر ہر اُس شخص کے حسبِ حال ہے جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کی رائے بہت اچھی ہے۔ مگر حقیقی رائے اُس وقت ظاہر کرتے ہیں۔ جب وہ شخص موجود نہ ہو۔ شاعر ایسے شخص کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ لوگوں کی وہ باتیں سُنو ۔ جو تمہاری غیر حاضری میں کہتے ہیں۔ تاکہ تم اپنی خامیوں اور خوبیوں کا صحیح طور جائزہ لے سکو۔ ممکن ہے کہ شاعر کا اشارہ اپنے ہم عصر حریف شیخ امام بخش ناسخ کی طرف ہے کہ لوگ تمہارے سامنے تمہاری شاعری کی تعریف کرتے ہیں مگر تمہاری غیر موجودگی میں اسے فضول کہتے ہیں۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

شعر۲:۔ زیر زمیں سے آتا ہے جو گُل زر بکف　　　　قارون نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ " قارون:۔ بنی اسرائیل کا مالدار شخص ،خزانہ اِس قدر تھا کہ چالیس اُونٹوں پر اس کے خزانے کی چابیاں لادی جاتی تھیں۔ مال کی زکوٰۃ نہ دینے کے باعث حضرت موسیٰؑ نے بددعا کی اور قارون اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنس گیا۔ "

شاعر نے اس شعر میں صنعتِ تلمیح کا استعمال کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو پھول بھی زمیں کی سطح سے اُوپر آتا ہے۔ اپنی مٹھی میں سونا لیے ہوتا ہے۔ پھول کا رنگ زرد ہونے کی اصل وجہ تو جنس ہے۔ پھول کے اندر جو زیرہ سا دِکھائی دیتا ہے۔ اسے زرگل یعنی پھول کا سونا بھی کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قارون کے اسی خزانے کا اثر ہے کہ جو زمین سے اُگنے والے پھولوں میں ان زرد دانوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ قارون کا وہی لٹایا ہوا خزانہ زمین میں دھنسنے کے بعد اب پھولوں کی شکل میں باہر نکل آیا ہے۔ بقول علامہ اقبال

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار　　　　اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیراہن

شعر۳:۔ چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر　　　　دل صاف ہو ترا ،تو آئینہ خانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ (آئینہ خانہ اس کمرے یا مکان کو کہتے ہیں۔ جس کی دیواروں پر ہر طرف آئینے لگا دیئے ہوں اور چاروں طرف جدھر آدمی دیکھے اسے اپنا عکس نظر آئے) ۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب انسان کسی کی محبت میں کھو جاتا ہے تو پھر اِسے چاروں طرف محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اگر عشق سچا ہے۔ تو محبوب کا تصور ہر وقت اس کے دل و دِماغ پر چھایا رہے گا۔

دِل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

حقیقی معنوں میں یہ شعر تصوف کا مضمون بیان کرتا ہے۔ اگر انسان اپنے دل کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کر کے ذِکر الٰہی سے خوب چمکا لے تو پھر وہ انوار و تجلّیات کا مرکز بن جاتا ہے۔ اللہ کے جلوے ہر طرف نظر آتے ہیں۔ کائنات کے ذرّے ذرّے میں باری تعالیٰ کے نور کا ظہور دکھائی دیتا ہے۔

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا　　　　تُو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

شعر۴:۔ صیّاد! اسیر دام رگِ گُل ہے عندلیب　　　　دل صاف ہو ترا ،تو آئینہ خانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ شاعر شکاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے شکاری بلبل کی جان تو پھول کی رگوں میں پھنسی ہوتی ہے۔ اسے پکڑ کر قید کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ وہ پھول کو چھوڑ کر جانے والی نہیں وہ پہلے ہی پھول کی محبت میں گرفتار ہے۔ شاعر محبوب کی محبت میں اسیری کا ذکر کرتے ہوئے شکوہ کر رہے ہیں کہ میں تو محبوب کی محبت میں پہلے ہی گرفتار ہوں۔ میری تمام دلچسپیوں کا محور و مرکز محبوب کی ذات ہے۔ لہٰذا محبوب کو مزید اپنی اداؤں سے اور حسن کے جلوے دِکھا کر اسے اسیر بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ احمقانہ کوشش ہے۔ کیونکہ میں تو پہلے ہی سے تمہاری محبت کا اسیر ہوں۔

بلبلوں کے لیے دام رگِ گُل کافی　　　　جال پھیلا کے نہ صیاد گلستان روکے

شعر۵:۔ طبل و علم ہی پاس ہے نہ ملک و مال　　　　ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ یہ عام قاعدہ واُصول ہے کہ دنیا میں جس شخص کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو یا وہ شان و شوکت کا مالک ہو۔ اس سے لوگ حسد کرتے ہیں۔ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ شاعر اپنی عاجزی اور بے نیازی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہم خالی ہاتھ ہیں۔ نہ ہمارے پاس نقارے ہیں۔ (طبل) دراصل میدان جنگ میں نقارے کی مدد سے لشکر کو آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کی ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔ اور جھنڈا (علَم) بلند ہونا فتح اور کامیابی کی علامت ہے۔ اِس لیے دُشمن چاہتا ہے کہ سب سے پہلے نقارے والے کو راستے سے ہٹائے تا کہ جھنڈے والے کا کام تمام کیا جا سکے۔ جس سے لشکر میں افراتفری پھیل جائے گی۔ شاعر کہتے ہیں کہ نہ ہمارے پاس شان و شوکت ہے۔ نہ ہی حکومت واقتدار اور نہ مال و دولت کی فروانی ہے۔ اس لیے یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ زمانہ کیوں ہمارے خلاف اور دُشمن ہے۔ ہم تو فقیر، درویش قسم کے انسان ہیں۔ ہماری مخالفت کر کے دنیا والوں کو کیا حاصل ہوگا۔ یہ تو خوامخواہ وقت کا ضیاع ہے۔

Tehkals.com Learn & Teach

میرا طریق امیری نہیں ،غریبی ہے   خودی نہ بیچ ، غریبی میں نام پیدا کر

شعر۶:۔ ترچھی نگہ سے طائرِ دِل ہو چکا شکار   جب تیر کج پڑے گا اڑے گا نشانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی ادا بھی نرالی ہے۔ وہ میری طرف ترچھی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کی نظروں کا تیر میرے دِل میں اٹک جاتا ہے۔ جب نظروں کے تیر ترچھے پڑیں گے تو وہ دِل کے پرندے کو ٹھیک طرح سے نشانہ نہیں بنا سکیں گے۔ شاعر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محبوب کبھی مجھ سے نظریں ملا کر نہیں دیکھتا اور اس طرح اسے محبوب کی محبت کا پورا یقین نہیں آئے گا، اور یہ ترچھی نگاہیں دِل کے پرندے کو بری طرح زخمی کر دیں گی۔ شکاری شکار کے لیے تیر مارتا ہے تو سیدھی نظر سے دیکھتا ہے ترچھی نگاہ سے نشانہ چُھوٹ جاتا ہے۔ مگر محبوب کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ترچھی نگاہ سے دِل پر تیر چلاتا ہے۔ جو دِل میں اٹک کر ہمیشہ درد دیتا رہتا ہے۔

کوئی میرے دِل سے پوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو   یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

شعر۷:۔ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے   آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ یہ مقطع کا شعر ہے، شاعرانہ تعلّیٰ سے کام لیتے ہوئے خواجہ حیدر علی آتش اپنی غزل کی خود تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زبان، مضمون اور فن کے اعتبار سے میری غزل نہایت بلند پایہ اور عاشقانہ ہے۔ ہر شعر عشق و محبت کے جذبات کا خوبصورت اظہار ہے۔ جس پر ہر اُس شخص کو لازمًا داد دینا پڑے گی۔ جو اعلیٰ ذوق کا مالک ہے۔ اگر میرا مخالف، رقیب یا حریف میری غزل کی داد نہیں دیتا تو اس کا ایسا کرنا محض حسد، دشمنی اور نفرت کی وجہ سے ہے۔ آتش کو اس بات کا احساس تھا کہ اس کا کلام بڑا پختہ اور اعلیٰ پائے کا ہے۔ اس لیے قدر دانوں کو ان کی حیثیت تسلیم کرنی چاہیے۔ دراصل اِس میں بھی شاعر امام بخش ناسخ جو کہ آتش کا ہم عصر اور حریف شاعر تھا، کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگر وہ اس کی تعریف حسد کی وجہ سے نہیں کر رہا تو وہ الگ بات ہے ورنہ یہ ایسی غزل ہے کہ اس میں غزل کے تمام تقاضوں کو ملحوظِ نظر رکھا گیا ہے۔

اپنے ہر شعر میں ہے معنی تہہ دار آتش   وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکار رکھتے ہیں

غزل: ۲

شعر۱:۔ ہوائے دورِ مئے خوشگوار، راہ میں ہے   خزاں چمن سے ہے جاتی، بہار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر خواجہ حیدر علی آتش نہایت پُر اُمید نظر آتے ہیں اور خزاں کے جانے اور بہار کے آنے کا منظر پیش کیا ہے کہ کیف و مسرور اور پر اُمید ہونے کا نہایت خوشگوار اظہار ہوتا ہے۔ شاعر اس زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ دنیا میں انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ رات کے بعد دن اور غم کے بعد خوشی ضرور آتی ہے۔ اِسی حقیقت کو شاعر خزاں اور بہار سے ملاتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ خزاں کے جانے کے بعد بہار آتی ہے۔ خزاں کا دور جتنا بھی لمبا ہو جائے آخر بہار اپنی رونق لے کر آتی ہے۔ بہار میں شراب سی مستی پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ خوشی، راحت اور مسرت کا دور آنے والا ہے۔ مصیبتوں اور مشکلات کا دور ختم ہونے والا ہے۔ بہار کی آمد آمد ہے۔ اُمید ایک صحت افزا جذبہ ہے اور اس شعر میں اِسی صحت مند جذبے کا اظہار کیا گیا ہے۔

قدح لئے ہوئے گل مثلِ بادہ خوار آیا   خزاں چمن سے گئی، موسم بہار آیا

شعر۲:۔ عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں   نہ کوئی شہر، نہ کوئی دیار، راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر خواجہ حیدر علی آتش انسان کے اِس دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیک اعمال کے ذریعے آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ فراہم کرے۔ کیونکہ مرنے کے بعد اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر انسان نہ اچھا عمل کر سکتا ہے نہ بُرا۔ اس لیے نصیحت کرتے ہوئے شاعر کہتے ہیں کہ انسان کو اسی دنیا میں آخرت کے لیے تیاری کر لینی چاہیے۔ یہ دنیا فانی ہے۔

اور اگلا جہاں ایسا نہیں ہے کہ راستے میں کوئی شہر یا بستی واقع ہو۔ جہاں سفر کا سامان دستیاب ہو سکے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کچھ یہاں بوئیں گے۔ وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح　　　اور آفتاب عمر لبِ بام آگیا

شعر۳:۔ نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے　　　فقط عنایتِ پروردگار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر آخرت کے سفر کے بارے میں یہ حقیقت عیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ اس سفر میں انسان ہمیشہ تنہا رہتا ہے۔ آخرت کے سفر کے دوران نہ کوئی محافظ ہمارے ساتھ ہوگا اور نہ کوئی دوست ساتھ جائے گا۔ نہ کوئی سہارا ہوگا۔ اگر ہوگا تو صرف اللہ کا فضل و کرم شاملِ حال ہوگا۔ شاعر یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ آخرت کا پُرخطر سفر ہر انسان کو تنہا ہی طے کرنا ہوگا۔ کوئی محافظ ساتھ نہیں جاتا۔ جو ہمیں منکر نکیر کی گرفت اور عذابِ قبر سے بچا سکے۔ اس لیے شاعر نصیحت کرتے ہیں کہ ذہنی طور پر قیامت اور سفرِ آخرت کے لیے تیار ہو۔ تا کہ ہر قدم پر آسانی ہو۔ کیونکہ اللہ اپنے نیک بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ ہر حال میں ان کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ نے مومنوں کو بشارت سنائی ہے کہ ''بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم ہوگا۔''

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے　　　کہ ہیں عارضی زور کمزور سہارے

شعر۴:۔ تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈیے کسی کا ساتھ　　　ہمارا سایہ ہمیں، ناگوار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر آدابِ عشق کے ایک پہلو کو منظر عام پر لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ محبت کا تقاضا ہے کہ عاشق اپنی منزلِ مراد حاصل کرنے تک ہمیشہ رازداری سے کام لیتے ہیں۔ عشق کے راستے پر چلتے ہوئے کسی کی ہمراہی تو ایک طرف ہمیں اپنا سایہ بھی ساتھ چلتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔ عاشق کسی وقت کسی حالت میں بھی رقیب کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ محبوب کی تلاش کے لیے کسی اور کی مدد لینے پر کس طرح تیار ہو سکتے ہیں۔ اور عاشق کو یہ ہرگز پسند نہیں ہوتا کہ وہ مدد کے لیے دوسروں کے سامنے جھولی پھیلاتا رہے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے پر اعتبار کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ ہر وقت اس وہم میں مبتلا رہتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کے محبوب کو اپنی طرف مائل نہ کرے۔ اسی لیے اس موقع پر اپنا سایہ بھی ساتھ چلتا ہوا ناگوار گزرتا ہے۔

تو ہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل　　　ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی، درمیان کے لوگ

شعر۵:۔ سفر ہے شرط، مسافر نواز بُہتیرے　　　ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ یہ شعر آتش کے اُن اشعار میں سے ہے۔ جو مثال اور حوالے لے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ آتش دراصل اس شعر میں انسان کو سرگرم رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے سفر اختیار کرنا لازمی ہے۔ راستے میں مسافر پر مہربانی کرنے والے بہت سے لوگ مل جائیں گے اور ہزاروں سایہ دار درخت بھی ملیں گے۔ جن کے سایہ میں سُستا کر اور تازہ دم ہو کر مسافر منزل کی طرف آگے بڑھ سکتا ہے۔ مشہور قول ہے۔ 'ہمتِ مرداں مددِ خدا' اگر اِنسان کوشش کرے تو اسے کامیابی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کی مدد شامل ہو تو ہر طرف سے ہزاروں ہمدرد مل جاتے ہیں۔ مجازی معنوں میں لیا جائے تو مفہوم کچھ یوں ہوگا کہ اگر اِنسان عشق کے راستے پر چلے تو محبوب ٹھکرا بھی دے تو کوئی نہ کوئی سچی اور پرخلوص محبت کرنے والا اسے مل جائے گا۔

شعر۵:۔ مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ ہی جائیں گے　　　خدا تو دوست ہے، دشمن ہزار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور یقین رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی میں ہر لمحہ مشکلات اور آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔ اگرچہ راستے میں ہزاروں دشمن موجود ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ایک نہ ایک دن ضرور ہم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ ہی جائیں گے۔ یہ سب اِنسان کے عزم اور ارادے پر منحصر ہے۔ جو جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی مضبوطی سے قدم رکھے گا۔ اور کسی بھی موڑ پر نہیں ڈگمگائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اِنسان ضرور کامیاب ہوتا ہے جب اللہ حامی و ناصر ہو۔ یہ دنیا جہد للبقا کے اُصول پر بنائی گئی ہے۔ طاقتور کمزور کو بے بس کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ اللہ جن کی

مدد کرنا چاہیے ! مشکلات کی دیواریں جتنی بھی کھڑی ہو جائیں انسان اپنے خلوصِ نیت اور اللہ پر بھروسہ کر کے تمام دیواریں گرا سکتا ہے۔ اور ایک دن اپنی منزلِ مراد کو پالیتا ہے۔

مُدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے   وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

شعر ۶:۔ تھکیں جو پاؤں تو چل سَر کے بَل، نہ ٹھہر آتش   گُلِ مراد ہے منزل میں، خار راہ میں ہے

شاعر:۔ خواجہ حیدر علی آتش

تشریح:۔ غزل کے اس مقطع میں شاعر خواجہ علی حیدر آتش خود سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر منزل پانے کے لیے تُو سنجیدہ ہے تو پھر تمہیں کسی بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اے آتش !اگر منزل کی طرف بڑھتے ہوئے تیرے پاؤں تھک جائیں تو بھی تجھے ہمت ہار کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ حوصلہ اور اُمید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ سر کے بل چلنا چاہیے۔ اپنی خوشیوں اور تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے کچھ مشکلات اور مصائب کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کانٹے تو صرف راستے میں ہیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچ کر اپنی آرزوؤں کا پھول مل جائے گا۔ جسطرح پھول کی شاخوں پر پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ یہ معمولی رکاوٹیں اُن کانٹوں ہی کی طرح ہیں۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ منزل پانے کا لطف اِسی میں ہے کہ انہی رکاوٹوں سے گزر کر اپنی منزل پالی جائے۔ جب عاشق مصائب سے گزر کر اپنے محبوب سے جا ملتا ہے تو یہی اس کا گُل مُراد ہے۔

مصائب سے اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے   مجھے ناکامیوں پہ اشک بہانا نہیں آتا

مشقی سوالات و جوابات

سوال۔ پہلی غزل کے دوسرے شعر میں قارون کا ذکر کس حوالے سے آیا ہے؟

جواب۔ پہلی غزل کے دوسرے شعر میں شاعر قارون کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰؑ کی اُمت کا ایک مالدار شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کنجوسی اور نافرمانی کے جرم میں اسے مال و دولت کے سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ زمین سے جو پھول اُگتے ہیں۔ ان پھولوں کے بیچ میں جو زرد دانے ہیں۔ دراصل یہ قارون کا وہ سونا ہے۔ جو زمین کے اندر تھوڑا تھوڑا پھولوں کے زرد دانوں کی شکل میں باہر آرہا ہے۔

سوال۔ غزل نمبر ۲ کے دوسرے شعر میں کونسی خاص بات بیان کی گئی ہے ؟

جواب۔ غزل نمبر ۲ کے دوسرے شعر میں یہ خاص بات بتائی گئی ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں نہیں کھونا چاہیے۔ بلکہ آخرت لیے نیک اعمال کی تیاری کرنی چاہیے۔

سوال۔ مندرجہ ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔

زیرِ زمین ، رگِ گُل ، شجرِ سایہ دار (مرکبات اضافی)

طبل و علم ، دام و دانہ (مرکب عطفی)

شاعری کی خصوصیات/تنقیدی جائزہ:۔

اسد اللہ خان غالبؔ

غالبؔ اُردو شاعری کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ انھوں نے اُردو شاعری کے بیان کو ایک نیا انداز دیا۔ دیوانِ غالبؔ اُردو شاعری میں ایک نئے طرز کا احساس کا حامل مجموعہ ہے۔ وہ ایک مشکل پسند شاعر ہیں۔ ان کا انداز دوسر شعراء سے ممتاز ہے۔ اُن کے کلام میں سوز و گداز کی ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔ آپ غمِ دل کو ظرافت کے پردے میں چھپا لیتے ہیں۔ اُنھوں نے جدتِ طبع، نُدرتِ خیال، فلسفیانہ سوچ اور ہمہ گیر شخصیت کی بنا پر اُردو شاعری کو خوب نکھارا۔ ان کی شاعری اسالیب اور مضامین کے اعتبار سے رنگا رنگ ہے۔ اشاروں اور کنایے کا استعمال، بیان کی شگفتگی اور صوفیانہ خیالات کے اظہار میں بے تکلفی نے ان کے کلام کے شعری حسن میں اضافہ کیا۔

شعر۱:۔ پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا دل جگر تشنۂ فریاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالبؔ

تشریح:۔ مرزا غالب غزل کے مقطع میں محبوب کی جدائی میں گزرے ہوئے لمحات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مجھے وہ لمحات یاد آتے ہیں جس میں محبوب بچھڑا تھا تو میرے دل میں تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور وہ غمگین و اداس ہو جاتا ہے۔ جب میرا دل فریاد کرتا ہے تو پھر میں روتا رہتا ہوں۔ جس طرح پیاس بجھانے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے بھی اپنے دل کی پیاس بجھانے کے لیے آنسوؤں سے بھری آنکھیں یاد آ گئیں۔ آنکھوں سے بہتے آنسو ہی میرے دل اور جگر کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ میرے دل میں جب غموں کا ہجوم اُمڈتا ہے تو آنکھوں سے خود بخود آنسو روانہ ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ ان واقعات کو گزرے بہت عرصہ گزر چکا ہے، لیکن جدائی کے وہ لمحات میں آج تک نہیں بھول سکا۔ وہ وقت اب بھی میرے لیے اتنا ہی تکلیف دِہ ہے۔ شاعر اُس زمانے کو پھر واپس لانا چاہتا ہے۔

شعر۲:۔ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ غالب کی شاعری کی نمایاں خوبی سادگی ہے اور اس سادگی میں ہی فلسفہ ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی کہتے ہیں کہ ایسے بلیغ شعر اُردو زبان میں بہت کم ملتے ہیں کہ جو حالت اِس موقع پر گزرتی ہو۔ اُس کا بیان کیا گیا ہو، اس شعر میں اس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ کسی دوست سے جدا ہوتے وقت یا ان کو رخصت کرتے وقت ایک دودناک کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یعنی شدت، دردِ جدائی برداشت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس شعر میں شاعر محبوب سے جدائی کے وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب کے آنے سے خوشی کی ایک قیامت آ گئی۔ لیکن جلد ہی اس نے جانے کا اعلان کیا تو مجھ پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔ محبوب کی رخصتی کا وقت آیا اور میرا غم شدت اختیار کر گیا۔ وہ قیامت جیسی ساعت مجھ پر بھاری ہوگئی کہ تمہاری جدائی کیسے برداشت کروں گا۔ ایک اور مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبوب آیا۔ لیکن اس اپنے دل کی بات دل میں ہی رہی اور میں اظہار نہ کر سکا

شعر۳:۔ زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ زندگی غم اور خوشی کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں حالتوں میں گزر جاتی ہے۔ لیکن اے محبوب ! کاش یہ تیری راہ گزر کی یاد کے بغیر گزر جاتی تو اچھا ہوتا۔ لیکن اب مجھے دو طرح کے غم ہیں۔ ایک محبوب کی جدائی کا غم اور دوسرا وہ راستہ جس پر چل کر محبوب مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا تھا۔ پھر یہ کہ میں اپنے محبوب کو ایک حد تک بھول چکا تھا۔ لیکن ایک دن یونہی وہ راہ یاد آئی جس سے محبوب گزرتا تھا۔ بس اس کے ساتھ ہی محبوب اور وہ ساری باتیں جو محبوب سے وابستہ تھیں ، یاد آ گئیں ۔ ایسا لگا کہ محبوب کے قدموں کے نشان میرے دل پر نقش ہو گئے ہیں۔ اور میں اپنی ناکام محبت کو یاد کر کے خون کے آنسو رونے لگا۔

شعر۴:۔ کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خُلد میں گر یاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر محبوب کی گلی اور گھر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب ! تیرے گھر کی رونق اور دلکشی جنت میں کہاں ہوگی۔ اگر مجھے جنت بھیج دیا جائے تو وہاں جا کر مجھے تیرا گھر یاد آیا تو جنت سے نکلنا چاہوں گا۔ تب جنت کا داروغہ مجھے ایسا کرنے سے روکے گا تو میری اُس سے لڑائی ہو جائے گی۔ کیونکہ میں ہر حال میں وہاں سے نکلنا چاہوں گا۔ اس لڑائی کی دو وجوہات ہوں گی۔ اول تو میں یہ کہوں گا کہ محبوب کا گھر جنت سے زیادہ بہتر ہے۔ رضوان (داروغہ) یہ کہے گا، تم غلط کہتے ہو۔ جنت جیسی جگہ کہیں موجود ہی نہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں تیرے گھر پہنچنے کی غرض سے بہشت سے نکلنا چاہوں گا اور داروغہ روکے گا تو ہمارے درمیان تکرار بڑھ کر لڑائی تک نوبت پہنچے گی۔

Tehkals.com Learn & Teach

شعر۵:۔ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ مزرا غالب اُردو شاعری کے لیے باعثِ فخر ہیں۔شاعر میں اشارے اور کنایے کا استعمال کرتے ہیں۔اس شعر میں کہتے ہیں کہ دشت یعنی جس گھر میں ہم ہیں۔وہ اس قدر ویران ہے کہ اسے دیکھ کر گھر کی یاد آتی ہے۔اور خوف معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہم تو اپنے گھر ہی کو سب سے زیادہ ویران اور بیابان سمجھتے تھے۔ کہ ایسی ویرانی کہیں اور نہ ہوگی۔مگر دشت بھی اس قدر ویران ہے کہ اسے دیکھ کر اپنے گھر کی ویرانی یاد آتی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ میں اپنے گھر کی ویرانی سے گھبرا کر دل بہلانے کے لیے باہر جنگل بیابان میں نکلا۔لیکن وہ بھی میرے گھر کی طرح سونا اور ویران تھا۔جبکہ اصل وجہ یہ ہے کہ گھر نہیں بلکہ اُس کے دل کی بستی اُجڑی ہوئی اور ویران تھی۔اس لیے ہر جگہ ویرانی ہی ویرانی نظر آ رہی تھی،یعنی شاعر کے گھر کو محبوب کے قدموں اور ان کی آواز نے ابھی تک آباد ہی نہیں کیا تھا۔محبوب کی راہ تکتے تکتے اور انتظار میں گھر بھی ویران بن چکا تھا اور تمام دنیا سے زیادہ اپنا ہی گھر اُسے اُجڑے ہوئے صحرا کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔

شعر۶:۔ میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ غزل کے مقطع میں شاعر مجنوں کا حوالہ دے رہے ہیں۔(مجنوں کا اصل نام قیس بن عامر تھا اور محبت کی دیوانگی کی وجہ سے اُسے مجنوں کہا جاتا ہے)۔شاعر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کا مزاج لڑکپن ہی سے بڑا عاشقانہ رہا ہے۔یعنی ابھی وہ کم ہی تھا کہ عاشقانہ مزاج اور شوخی اس کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہتے ہیں کہ لوگوں کا عام دستور ہے کہ وہ دیوانوں کو اینٹ اور پتھروں سے مارا کرتے ہیں۔یہاں اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے لڑکپن میں مجنوں کو مارنے کے لیے پتھر اُٹھایا ہی تھا کہ اپنا سر یاد آ گیا اور وہ پتھر میں نے اپنے ہی سر پر دے مارا اور یہ سوچا کہ پتھر کی چوٹ کھانا عشق کے جرم کی سزا ہے تو پھر یہی پتھر مجھے اپنے سر پر مارنا چاہیے۔کیونکہ میرے دماغ میں بھی عشق کی دیوانگی موجود ہے۔اور مجھ پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوگئی تو لوگ مجھے بھی اس طرح اینٹ اور پتھروں سے ماریں گے اور دیوانہ سمجھیں گے۔لہٰذا مجھے اس رسم بد میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔یہ سوچ کر میں نے پتھر زمین پر واپس رکھ دیا۔

غزل:۲

شعر۱:۔ یہ نہ ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے ،یہی انتظار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ شاعر بہت خوبصورت انداز اپناتے ہوئے غزل کے مطلع میں کہتے ہیں کہ عاشق کے دل میں محبوب سے ملنے کی تڑپ ہوتی ہے۔لیکن افسوس ہماری قسمت ہی خراب تھی کہ وصالِ یار زندگی بھر نصیب ہی نہ ہوا اور جب تک جئے وصالِ یار کی آس میں ہی جئے۔تمام عمر اسی آس کے سہارے محرومی کے سائے ہی سر پر منڈلاتے رہے۔ہم انتظار کی اذیت میں زندگی بھر تڑپتے رہے۔عاشق اس اُمید پر جیتا ہے کہ محبوب سے ملاقات ہو جائے۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن انتظار کی اذیت ختم نہیں ہوتی۔شاعر کے خیال میں جو چیز مقدر میں نہ ہو اس کی خواہش بے معنی ہے۔ہمیں محبوب کا انتظار رہا۔ لیکن اس انتظار میں اچھا ہوا موت نے آ کر اس انتظار کی شدت اور اذیت کو ختم کر دیا۔کیونکہ ہماری قسمت میں محبوب سے ملنا ہی نہیں تھا۔ہم محبوب کے کرم کے منتظر رہے۔۔ہم دنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ ایک طرح سے ہمارے لیے اچھا ہوا۔کم از کم محبوب کی ملاقات کے انتظار کی پریشانی جو ہمارے لیے مرگ مسلسل کی سی کیفیت تھی۔وہ تو ختم ہوگی۔ورنہ مزید زندگی مزید انتظار کا باعث بنتی۔

شعر۲:۔ تیرے وعدے پہ جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا کہ خوشی سے مر نہ جاتے ،اگر اعتبار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر محبوب سے کہتا ہے کہ یہ اللہ کا صد شکر ہے کہ ہم نے کبھی تیرے وعدے کو سچا نہیں سمجھا۔کیونکہ تیرے ملنے کا وعدہ جھوٹا ہوتا ہے۔اور اگر تیرا یہ خیال ہے کہ ہم تیرے وعدوں کی بدولت زندگی جی رہے ہیں۔اور ایک دن یہ وعدہ اصل پورا ہوگا تو یہ ہماری بھول اور غلط فہمی ہے۔ اگر ہم تیرے وعدوں کو سچا سمجھتے تو خوشی سے مر ہی جاتے۔ہمارا زندہ رہنا۔اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے تیرے وعدے پر بھروسہ نہیں کیا۔اس لیے اب تک جی رہے ہیں۔ایک عاشق کے لیے محبوب کے وعدۂ وصال سے بڑھ کر خوشی کی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔شاعر کا خیال ہے کہ محبوب کے وعدۂ وصال پر اعتبار ہوتا اور ہمیں اس انداز سے اتنی خوشی حاصل ہوتی جو ہمارے ضبط سے باہر ہوتی اور جس کے نتیجے میں موت ہمارا مقدر ہوتی۔مگر چونکہ اصل وعدہ ہی

جھوٹ پر مبنی تھا۔اس لیے خوشی نہ ہوئی اور ہم جیتے رہے۔اگر وعدہ سچا ہوتا تو یہ ہمارے لیے شادی مرگ والی کیفیت ہوتی۔

شعر۳:۔ یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ اُردو شاعری رقیب، ناصح اور شاعر کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے۔اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ عشق کی تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا دیکھ کر دوست اور ہمدرد سب نصیحت پر اُتر آئے ہیں۔دوست حقیقت میں وہ ہوتا ہے۔جو مشکل وقت میں ساتھ نبھائے۔دوستی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ تمام دوست نصیحت گر بن کر مجھے وعظ سناتے رہتے ہیں۔کیا اس سے دوستی کا حق ادا ہو سکتا ہے۔حقیقی دوستی کا تقاضا تو یہ تھا کہ میرے دل کے زخموں پر میرے دوست مرہم رکھتے اور میرے آرام کی تدبیریں سوچتے، محبوب کی بے وفائی سے میرے دل پر جو داغ لگے ہیں۔ان کی چارہ سازی کرتے۔میرا دکھ بانٹتے اور محبوب سے ملاقات کی کوئی تدبیر کرتے۔میرا غم غلط کرتے۔مگر یہ کیا کہ مجھے ہی نصیحتیں شروع کر دیں۔شاعر کے نزدیک دوستی کا تو یہ تقاضا ہونا چاہیے کہ میرے ہمدرد محبوب سے ملاقات کروانے کی کوئی تدبیر کرتے۔اگر یہ ان کے بس میں نہیں تو کم از کم مجھ سے ہمدردی ہی ظاہر کرتے اور تسلی دیتے۔یہ کیسی دوستی ہے کہ بس ترکِ عشق کی نصیحت کرتے ہیں اور میری بھلائی کے لیے عملی طور پر کچھ نہیں کرتے۔

شعر۴:۔ رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا جسے غم سمجھ رہے ہو ، یہ اگر شرار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ غم ایک تکلیف دہ، اذیت ناک اور ہلاکت خیز چیز ہے۔یہ آگ کی چنگاری ہوتی ہے۔اگر یہ پتھر پر بھی پڑ جائے تو اس کی رگوں سے خون بہنے لگے گا۔یہ انسان ہی کا کمال ہے کہ وہ غم کی شدت کو برداشت کر لیتا ہے اور بڑے سے بڑا غم سہہ لیتا ہے۔غم ایک بے حس و حرکت پتھر کی رگوں سے بھی لہو ٹپکا سکتا ہے۔تو اس انسانی دل و جان پر کس قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہوں گے۔پتھر بے حس شے ہے اور شکست و ریخت سے آزاد ہے۔دراصل یہاں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر شرارہ اور غم ایک ہی چیز ہوتے تو پھر خون کے آنسو اس تسلسل کے ساتھ بہتے کہ اشک رکنے کا نام نہ لیتے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے حساس پیدا کیا اور بڑی سے بڑی اذیت میں بھی ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کر لیتا ہے۔یہ شرارہ جو پتھر میں ہوتا ہے۔اگر یہ غم ہوتا تو پتھر بھی اس کو برداشت نہ کر سکتا اور ہمیشہ اس سے لہو ٹپکتا رہتا۔

شعر۵:۔ کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ اس شعر میں جدائی کی حالت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شب غم بڑی کٹھن ہوتی اور اسے کاٹنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔کہتے ہیں کہ میں اپنے غم کا شکوہ کس سے کروں کہ جدائی کی رات بہت بڑی مصیبت ہے۔کوئی ہمدرد اور اہل نظر ہی نہیں آتا کہ میرے دکھ کا مداوا کر سکے۔صرف محبوب ہی اس غم کو خوشی میں تبدیل کر سکتا ہے۔غم کی اس رات سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔کیونکہ شبِ غم بُری بلا ہے، شاعر کے نزدیک ایک ایک لمحہ جانکنی میں گزر رہا ہے نہ کوئی مخلص دکھائی دیتا ہے اور نہ موت کی تکلیف میں کمی نظر آتی ہے۔اس شب غم نے مجھے ایسی حالت میں مبتلا رکھا تھا۔گویا ہر آن موت کی تمام تکالیف مجھ پر طاری ہو رہی ہوں۔میں ایک سانس میں مرتا تو دوسری میں جی اُٹھتا تھا۔مرگِ مسلسل کی کیفیت بڑی دردناک ہوتی ہے۔موت ایک ہی وقت میں آ جاتی تو بہتر تھا تا کہ مجھے غموں سے نجات مل جاتی۔

شعر۶:۔ اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دوئی کی بُو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ غالب اس شعر میں وحدت الوجود کا قائل نظر آتا ہے۔اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ہر چیز، ہر جگہ، ہر اچھائی و برائی، نیکی و بدی پر قادر ہے۔بلکہ یہاں تک کہ یہ پوری کائنات بھی اسی دم قدم سے آباد ہے۔لیکن اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا کیونکہ وہ اپنی ذات میں تنہا، یکتا اور بے مثل ہے۔اگر اس میں دوئی (دوسرا) کا خفیف سا شائبہ بھی ہوتا تو وہ ضرور دکھائی دیتا۔لیکن اس کی ذات اجنبیت سے بالاتر ہے اور اسی وجہ سے ظاہری آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی، یعنی اگر اللہ کے سوا اور وجود ہوتا تو وہ اللہ کو دیکھ سکتا۔دیکھنے کے لیے ناظر اور منظور دونوں ہستیوں

کا ہونا اولین شرط ہے۔لیکن جب اس ذات کے سوا کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں تو پھر اس کو دیکھنے کا خیال کیسا؟ وہ اپنی ذات میں واحد و یکتا ہے اور اس کو دیکھنے کی تاب کسی میں نہیں ہے۔

شعر:۔ یہ مسائلِ تصوف ، یہ ترا بیان غالبؔ تجھے ہم ولی سمجھتے ، جو نہ بادہ خوار ہوتا

شاعر:۔ اسداللہ خان غالب

تشریح:۔ غلب اُردو شاعری کے لیے باعثِ فخر ہیں۔آخری شعر میں اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تُو نے جتنا بھی لکھا اور جو کچھ کہا اس میں اللہ تعالیٰ اور دینی مسائل کا حل پیش کیا۔تصوفانہ انداز اپنایا، دنیاوی خواہشات کو ترک کر دیا اور تُو نے اپنے آپ کو ایسا انسان بنایا کہ جو خدا کے قریب ہو اور تیرا اندازِ بیان اتنا دلکش و دلآویز ہے کہ جو کچھ تو کہتا ہے۔وہ دل میں اُتر جاتا ہے۔یہ تو اولیاء کے خیالات اور باتیں ہیں۔اس لیے ظاہر ہوا کہ تُو بڑا ولی اور پارسا ہے۔تجھ میں سب سے بڑی برائی جو موجود ہے۔وہ مے نوشی ہے۔شراب پینا تیری فطرت ہے۔پس اگر تُو شرابی نہ ہوتا تو موجودہ زمانے کا ولی ہوتا۔ کیونکہ تُو نے جتنی مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا ہے، شاید ہی کسی اور نے کیا ہو۔شاعر کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تُو حکمت کی باتیں خوب کرتا ہے اور دوسروں کو عمل کی دعوت بھی دیتا ہے۔مگر کسی بھی لمحے خود ان پر عمل کرتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔

مشقی سوالات و جوابات

سوال۔۲ پہلی غزل کے پانچویں شعر کے مطابق شاعر کے گھر اور دشت میں کون سی خصوصیت مشترک ہے ؟

جواب۔ اس شعر میں شاعر کے گھر اور دشت میں ''ویرانی '' کی خصوصیت مشترک ہے۔کیونکہ دشت میں بھی ویرانی ہوتی ہے اور شاعر کے گھر میں بھی خاموشی اداسی اور ویرانی چھائی ہے۔

سوال۔۳ دوسری غزل کے دوسرے شعر میں محبوب کے وعدے کو جھوٹ جاننے کی شاعر نے کیا دلیل پیش کی ہے؟

جواب۔ اس شعر میں محبوب کے وعدے کو جھوٹ جاننے کی شاعر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ میرا زندہ رہنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ محبوب کا وعدہ جھوٹا ہے۔اگر محبوب کا وعدہ سچا ہوتا تو میں خوشی کی زیادتی سے مرجاتا۔لیکن میں زندہ و سلامت ہوں۔کیونکہ میں نے محبوب کے وعدے کا اعتبار نہیں کیا۔

سوال۔۴ دوسری غزل کے چوتھے شعر میں شاعر اپنے دوستوں سے کیا گلہ کرتا ہے؟

جواب۔ شاعر اس شعر میں اپنے دوستوں سے یہ گلہ کرتے ہیں کہ میرے دوست مجھے صرف نصیحتیں کرتے ہیں۔حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ میرے غم کا علاج کرتے اور میرے غم میں شریک ہوتے۔تب ہی دوستی کا حق ادا ہوتا۔

سوال۔۵ مجنوں پہ سنگ اُٹھایا تو شاعر کو اپنا سر کیوں یاد آ گیا؟

جواب۔ شاعر کو اپنا سر اس لیے یاد آیا کہ کل کو وہ بھی مجنوں اور دیوانہ ہوگا تو لوگ اُسے بھی پتھر ماریں گے۔کیونکہ وہ بھی مرضِ عشق میں گرفتار ہے۔اس لیے اُسے اپنا سر یاد آیا۔

شاعرانہ خصوصیات/ تنقیدی جائزہ:۔

بہادر شاہ ظفرؔ

بہادر شاہ ظفرؔ شاہ نصیر، شیخ ابراہیم ذوقؔ اور مرزا غالبؔ جیسے اساتذہ سے فیض حاصل کرتے رہے۔لیکن پھر بھی اپنے لیے ایک الگ راہ نکالی۔ان کی شاعری ان کے اپنے غم اور اپنے درد کی ترجمانی ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ ظفرؔ کے اشعار سے اس کے جگر کا خون ٹپکتا ہے۔سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کے سبب ان کی شاعری احساسِ محرومی، مایوسی، دنیا کی بے ثباتی سوز و گزار کی ایک مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔اُنھوں نے اخلاقی مضامین اور صوفیانہ خیالات بھی بیان کیے ہیں۔ ظفرؔ کی جس غزل کا بھی مطالعہ کیا جائے تو اس میں دو طرح کے اشعار نظر آتے ہیں۔ایک تو انتہائی یاس انگیز، دردناک اور دوسرے رنگین۔لیکن یہ رنگین اشعار بھی احساسِ غم کو چھپانے کی ناکام کوشش معلوم ہوتے ہیں۔جو غزل کے پورے ماحول پر چھایا ہوتا ہے۔

شعرا:۔ یا تو افسر مرا شاہانہ بنایا ہوتا یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر بہادر ظفؔر (مغلیہ خاندان کے آخری شہنشاہِ ہند، انگریزوں کے ہاتھوں قید ہوئے، انگریزوں کی طرف سے ملنے والی پینشن پر گزر اوقات تھی۔) اس شعر میں قسمت کے ستم ظریفی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ ہی وہ بادشاہ ہے نہ ہی درویش ، اے خدا ! اگر تُو نے مجھے تاج بخشا تھا تو صحیح معنوں میں صاحبِ اختیار بادشاہ بنایا ہوتا اور اگر یہ سب منظور نہ تھا تو مجھے فقیروں کا کشکول عطا کیا ہوتا۔ اس طرح کم از کم امورِ سلطنت کو انجام دینے کے لیے مسائل و مصائب میں نہ اُلجھنا پڑتا۔ میں فقط نام کا بادشاہ رہ گیا ہوں۔ ملک پر اصل حکمرانی انگریزوں کی ہے۔ جن سے ملنے والی پینشن کسی طرح بھی بھیک سے کم نہیں۔ جو ایک فقیر کو دی جاتی ہے۔ درحقیقت میری حیثیت ایک فقیر کی سی ہو گئی ہے۔ جو کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں:۔

ہر چند انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم لیکن، صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

شعر۲:۔ خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ بہادر شاہ ظفر اپنی موجودہ قابلِ رحم صورتحال کے لیے اپنے پروردِگار سے شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! اگر تُو نے مجھے عاجز اور بے بس ہی پیدا کرنا تھا تو کاش تُو نے مجھے محبوب کے دروازے کی مٹی بنا لیا ہوتا، مجھے محبوب کے پاؤں تلے روندے جانے کی سعادت تو نصیب ہوتی مگر اس کے برخلاف اب میں انگریزوں کے سامنے عاجز، بے بس اور خاکسار ہوں۔ موجودہ خاکساری کی حالت سے تو بہتر تھا کہ میں محبوب کے در کی خاک اس طرح میں محبوب کے قدموں کا بوسہ تو لے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں شاعر کہتے ہیں کہ مجھے اپنے وطن کی مٹی سے محروم کر دیا گیا۔ جلاوطنی میں بھی خاکساری ہی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اے اللہ ! اس سے تو بہتر تھا کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی اپنے محبوب وطن (دہلی) میں گزارتا۔ اس طرح میں کم از کم پُرسکون تو رہتا۔

شعر۳:۔ نشئہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر بہادر شاہ ظفر اپنی زندگی کو عشق کے لیے قلیل سمجھتے ہوئے اللہ پاک سے مخاطب ہیں کہ اے اللہ ! اگر تُو نے مجھے عشق کے نشے سے سرشار کرنا تھا اور مجھے اس قابل سمجھ کر محبت کا حوصلہ دینا تھا تو پھر مجھے عمر اتنی مختصر کیوں دی۔ میری زندگی کا پیمانہ اتنا تو بنایا ہوتا کہ میں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ یہ مختصر زندگی محبت کی آزمائشوں کے طویل سلسلے کے لیے ناکافی ہے، محبوب کا دِل جیتنے کے لیے بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر عاشق کے خلوص اور وفاداری کا یقین آتا ہے۔ اپنی محبت کی سچائی کا یقین دِلاتے۔ اُس کی زندگی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اس شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ سے کم عمری کا گلہ کر رہے ہیں۔

عمرِ دراز مانگ کہ لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

شعر۴:۔ تھا جلانا ہی اگر دوریءساقی سے مجھے تو چراغِ در مے خانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر بے بسی، حسرت و یاس کی تصویر بنے اللہ سے شکوہ کر رہے ہیں۔ اگر میری قسمت میں ساقی سے دور رہ کر ہجر کی آگ میں جلنا ہی تھا تو مجھے شراب خانے پر جلنے والا چراغ ہی بنا دیا ہوتا تاکہ کم از کم میں اپنی روشنی سے شراب خانے کو منور کر سکتا اور آنے جانے والوں کو راستہ دِکھاتا اور کسی کے کام آسکتا۔ دوسرے معنوں میں شاعر نے وطن سے دور رہ کر جدائی میں جلنے کی کیفیت واضح کی ہے۔ جلاوطنی کے بعد (رنگون) میں جلنا ہی تھا تو اپنے وطن میں ہی جلنا نصیب ہوتا۔ تب مجھے اتنی تکلیف محسوس نہ ہوتی میں اپنی معمولی روشنی سے اپنے وطن کے لوگوں کی راہنمائی کرتا۔

شعر۵:۔ شعلہئ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر اس شعر میں بلبل کی پھول سے اور پروانے کی شمع سے محبت کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ بلبل کو پھول سے گہری محبت ہوتی ہے اور پروانہ ایک ایسا کیڑا ہے۔ جو آگ میں جل مرنے کو اپنے عشق کی معراج سمجھتا ہے۔ شاعر اپنے محبوب کے

بے پناہ حُسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب کسی باغ میں اپنا جلوہ دِکھادے تو وہ بلبل جو صرف پھول سے محبت کا دم بھرتی ہے اور پھول کی دیوانی ہے۔اُسے چھوڑ کر میرے محبوب کے حُسن میں کھو جائے۔جس طرح پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتے لگاتے اپنی جان دے دیتا ہے۔اسی طرح بلبل بھی اپنی زندگی میرے محبوب کے حُسن پر نچھاور کر دیتی اور اُسے پھول میں پھر کوئی دلکشی نظر نہ آتی۔دوسرے معنوں میں شاعر کے دل و دِماغ پر وطن سے محبت سوار ہے۔وہ دنیا کے ہر حُسن و دلکشی پر اپنے وطن کی خوبصورتی کو ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے وطن میں ایسی کشش ہے کہ ہر عاشق وطن اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

رات مجلس میں تیرے حسن کے شعلہ کے حضور شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

شعر۶:۔ صوفیوں کے جو نہ تھا لائقِ صحبت تو مجھے قابلِ جلسۂ رندانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر پُر شکوہ لہجے میں اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ اے اللہ ! یہ تُو نے مجھے کیسی زندگی عطا کر دی ہے۔عجیب کشمکش میں ہوں۔اپنا اصل مقام معلوم نہیں ہو رہا۔اے خدا ! اگر میں پاکیزہ اور پاک باطن رکھنے والے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل نہیں تھا تو مجھے ان لوگوں کی محفل میں بیٹھنے لائق بنا دیتے۔جو شرعی پابندیوں کا احترام نہیں کرتے۔مگر موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ میں دونوں میں کسی ایک محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں بات یہ ہے کہ صوفیاء اسے رِند خیال کرتے ہیں اور رندا ِسے صوفی تصور کرتے ہیں۔یہ حیثیت کسی چمگادڑ کی ہوتی ہے۔جو نہ پرندوں میں شامل ہوتا ہے۔نہ جانوروں میں۔میں کو دکو بے حیثیت محسوس کرتا ہوں۔جو کسی درجے کے قابل نہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ہم

شعر۷:۔ روزِ معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفؔر ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر بہادر شاہ ظفؔر روز بروز دنیا کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو دیکھ کر مایوس ہیں۔جسکا اظہار وہ یوں کرتے ہیں کہ اے ظفؔر ! اس دنیا کی آبادی میں ہر روز نئی نئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔دنیا کے گوشے گوشے میں ہر لمحہ ہنگامے،خرابیاں اور فتنے برپا ہو رہے ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بربادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔شاعر اس شعر میں برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کا ذکر کر رہے ہیں۔انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا،تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔بہادر شاہ ظفؔر کو جلاوطن ہونا پڑا۔شاعر بہادر شاہ ظفؔر کے اِن حالات سے سخت نالاں و افسردہ ہیں۔کہتے ہیں کہ اے خدا ! تُو نے اس بار بار اُجڑنے والی دنیا بنانے سے تو بہتر تھا کھنڈر بنا دیا ہوتا۔اس دنیا میں کوئی آرام و سکون کی گھڑی نہیں۔خرابی و بربادی ہر وقت کہیں نہ کہیں نظر آتی ہے۔ان حالات کو دیکھ کر شاعر اس دنیا سے بیزار نظر آتے ہیں۔

لائی حیات آئے ،قضا لے چلی چلے اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے

غزل۲:۔

شعر۱:۔ لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفؔر

تشریح:۔ شاعر بہادر شاہ ظفؔر آخری مغل بادشاہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے بہادر شاہ ظفؔر کو (رنگون) میں قید کر دیا۔جو نام کی بادشاہت تھی۔وہ بھی ختم ہو گئی۔حکومت پر انگریزوں کا سکہ چلتا تھا۔بدنصیب بادشاہ نے اپنی زندگی کے آخری دن نہایت کسمپرسی میں گزارے۔یہ غزل اسی جلاوطنی اور قید تنہائی کے دوران کہی۔کہتے ہیں کہ میری دنیا اُجڑ چکی ہے۔عزیز و اقارب،دوست و ہمدرد سب جُدا ہو گئے ہیں۔اب میرا اِس اُجڑے ہوئے ملک میں رہنے کو جی نہیں چاہتا،کیونکہ یہ دنیا غم اور دکھ دیتی ہے۔اور دوسری طرف یہ دنیا فانی بھی ہے۔یہاں کی ہر چیز ناپائیدار اور فنا ہونے والی ہے۔ہر ایک نے یہاں سے کُوچ کرنا ہے لہٰذا اس دنیا میں جی لگانا بیوقوفی ہے۔

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شعر۲:۔ عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفرؔ

تشریح:۔ شاعر انسانی زندگی کے مختصر اور ناپائیدار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں چند دِنوں کا مہمان ہوتا ہے۔ اور یہ انسان اس دنیا میں چار روز کی عارضی زندگی مانگ کر لایا تھا۔ اس دنیا میں آ کر اس کے دِل میں بہت سی آرزوئیں، تمنائیں اور خواہشات پیدا ہوئیں۔ آدھی عمر تو آرزوؤں میں گزر گئی اور باقی کی عمر ان آرزوؤں کے پورا ہونے کے انتظار میں گزر گئی۔ شاعر کہتے ہیں کہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ عمر ختم کب ہوئی اور زندگی تیزی سے گزر گئی، آرزوئیں پوری بھی نہ ہوئیں کہ موت کا بُلاوا آ گیا۔ اور جو مختصر زندگی خدا سے مانگ کر لائے تھے ختم ہوگئی۔ شاعر کے مطابق اس دنیا میں کسی کی بھی آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔

کیا بھروسہ ہے زندگانی ہے آدمی بلبلا ہے پانی کا

شعر۳:۔ بلبل کو باغباں سے نہ صیّاد سے گلہ قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفرؔ

تشریح:۔ بہادر شاہ ظفر اپنی بدنصیبی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بلبل نے بہار کے انتظار میں عمر کاٹی، مگر موسمِ بہار میں اسے شکاری نے قید کر لیا۔ شاعر نے بلبل کا لفظ اپنے لیے۔ باغبان کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے اور صیّاد یعنی شکاری کا لفظ انگریزوں کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے نتیجے میں انگریزوں نے بہادر شاہ ظفرؔ کو نظر بند کیا۔ اسی کیفیت کو شاعر بیان کرتے ہیں کہ نہ مجھے اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے کوئی شکایت ہے کہ جن کے ذمے حکومت، ملک و قوم کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ نہ انگریزوں سے جنہوں نے نہایت مکاری اور چالاکی سے کام لے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔ یہ سب میری قسمت میں لکھا تھا۔ اس لیے نہ اللہ سے شکوہ ہے اور نہ کسی اور سے شاکی ہوں۔

اس مرغِ ناتواں کی صیّاد کچھ خبر لے جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہنچا

شعر۴:۔ کہ دو ان حسرتوں سے، کہیں اور جا بسیں اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفرؔ

تشریح:۔ شاعر کے مطابق مجھے زندگی میں اس قدر دُکھ اور صدمے اٹھانے پڑے ہیں کہ ان صدموں کی وجہ سے میرا دل چھلنی چھلنی ہو گیا ہے اب اس پر مزید زخم کھانے کی گنجائش نہیں۔ جب انسان زندہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں مختلف قسم کی خواہشات اور تمنائیں ہوتی ہیں۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان کو غم پر غم ملتے ہیں اور یہ خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ شاعر نوحہ کناں ہیں کہ کاش کوئی تمناؤں سے کہہ دے کہ اب میرے دل میں دکھوں اور غموں کے اتنے داغ ہیں۔ کہ مزید داغوں کی جگہ نہیں اور یہ حسرتیں کسی دوسری جگہ اپنا بسیرا کرلیں۔ وہاں جا کر اپنا شوق پورا کریں۔ ممکن ہے کسی اور دل میں نیا زخم کھانے کا حوصلہ ہو۔ مگر مجھ میں اب حوصلہ نہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

شعر۵:۔ کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

شاعر:۔ بہادر شاہ ظفرؔ

تشریح:۔ بہادر شاہ ظفرؔ بڑے بدنصیب بادشاہ تھے۔ اہل و عیال کو قتل کر دیا گیا۔ اُنہیں انگریزوں نے جلاوطن کر کے رنگون میں قید کر دیا گیا۔ جہاں ان کا انتقال ہوا۔ لہٰذا اُن کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ اپنی بدنصیبی کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں کہ اے خدا! پوری زندگی تو مصائب میں گزری۔ مرنے کے بعد دفن ہونا بھی اپنے وطن میں نصیب نہ ہوا۔ اپنے ملک میں رہنا تو درکنار قبر بھی دیارِ غیر میں بنی۔ اس شعر میں بہادر شاہ ظفرؔ کی اپنے ملک خاص طور پر دہلی سے محبت صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ اُن کی خواہش تھی کہ انہیں اپنے وطن میں ہی دفن کیا جائے۔ انگریزوں نے نہ صرف انہیں جلاوطن کیا بلکہ اُن کی قبر کا نام و نشان بھی مٹا دیا۔

ہوئے مر کے ہم جو رُسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

Tehkals.com Learn & Teach

مشقی سوالات و جوابات

سوال ۔۲ پہلی غزل کے آخری شعر میں کونسی خاص بات کی گئی ہے؟

جواب ۔ پہلی غزل کے آخری شعر میں یہ خاص بات کی گئی ہے کہ اس بستی بنانے سے اسے ویرانہ بنایا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ شاعر ایک ایسی دنیا میں زندگی گزارنے کی تمنا کرتا ہے جہاں امن وسکون ہو اور ہر شخص اس دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہو سکے۔

سوال ۔۴ دوسری غزل کے دوسرے شعر میں شاعر نے کون سی خاص بات بیان کی ہے؟

جواب ۔ دوسری غزل کے دوسرے شعر میں شاعر نے یہ خاص بات بیان کی ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے انسان کو جو عرصہ دیا گیا ہے وہ بہت ہی مختصر ہے چند روز آرزو میں گزر جاتے ہیں اور چند روز اُن آرزوؤں کی تکمیل کے انتظار میں گزر جاتے ہیں۔ غرض انسان کی اتنی آرزوئیں ہوتی ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوتیں اور انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

سوال ۔۷ بہادر شاہ ظفؔر کا مزار کس شہر میں ہے؟

جواب ۔ بہادر شاہ ظفؔر کا مزار برما کے شہر ''رنگون'' میں ہے۔

سوال ۔۸ شاعر کو کس شہر میں دفن ہونے کی تمنا تھی؟

جواب ۔ شاعر کو موجودہ بھارت کے دارالحکومت ''دہلی'' میں دفن ہونے کی تمنا تھی۔

سوال ۔۹ مندرجہ ذیل مرکبات کس قسم کے ہیں۔

جواب ۔ غمِ عشق ، یادِ خدا (مرکب اضافی)

چار دن (مرکب عددی)

بدنصیب شاعر ، عمرِ دراز (مرکب توصیفی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆